نُصرة
میگزین

نصرۃ میگزین شمارہ 48
بمطابق مئی/جون 2019
رمضان/ شوال 1440 ہجری

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ
(امیر حزب التحریر)

تفسیر سورۃ البقرۃ آیت:188

پاکستان کی معیشت زمین بوس ہو رہی ہے مگر حکمران عوام کے سامنے اس کی بہتری کے جھوٹے دعوے کر رہے ہیں

نارملائزیشن، محدود ردعمل اور بین الاقوامی ثالثی کو ہماری افواج کے قدموں تلے کچلتے ہوئے انہیں مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے حرکت میں لاؤ

اسلام کے مخلص محافظ

روزہ اور خلافت ڈھال ہیں

پاکستان کا آبی مسئلہ: اصل حقیقت اور حل

نصرة

میگزین/شمارہ 48

بمطابق مئی/ جون 2019 رمضان/ شوال 1440 ہجری

اس شمارے میں

روزہ اور خلافت ڈھال ہیں	اداریہ	1
تفسیر سورۃ البقرۃ 188	شیخ عطاء بن خلیل ابوالرَشتہ	2
اسلام کے مخلص محافظ	مصعب عمیر	4
سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ کی زندگی کے چند لمحات	بلال المہاجر	7
افغانستان کے پکی عمارتوں والے اسکول تعلیم کی فراہمی کے بجائے استعماری جنگ کے ہتھیار ہیں!	آمنہ عابد	10
ریاستِ خلافت کے زیر سایہ غذائی تحفظ(Food Security)	علی القاضی	13
پاکستان کا آبی مسئلہ: اصل حقیقت اور حل	عمر شریف	20
موجودہ حکمرانوں کے شرعاً جواز پر تفصیلی بحث	ابو نزار الشامی	27
عمران خان بی جے پی کی فتح کے خواہشمند ہیں اور اُس کی مدد بھی کر رہے ہیں	میڈیا آفس ولایہ پاکستان	33
پاکستان کی معیشت زمین بوس ہو رہی ہے مگر حکمران عوام کے سامنے۔۔۔	میڈیا آفس ولایہ پاکستان	34
اسلامی لباس جو اسلام نے عورت پر حیاتِ عامہ میں واجب کیا ہے	سوال وجواب	35
مویشیوں پر زکوٰۃ	سوال وجواب	39
امریکا اور طالبان کے درمیان مذاکرات	سوال وجواب	41
نارملائزیشن، محدود ردعمل اور بین الاقوامی ثالثی کو ہماری افواج کے قدموں تلے کچلتے ہوئے۔۔۔	میڈیا آفس ولایہ پاکستان	47

اداریہ: روزہ اور خلافت ڈھال ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صیام (روزے) کو ڈھال سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہم میں سے ہر ایک کو انفرادی طور پر جہنم کی آگ سے بچاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **الصِّيَامُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ كَجُنَّةِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْقِتَالِ** " روزہ جہنم سے ڈھال ہے جیسے تم میں سے کسی کے پاس لڑائی میں ڈھال ہوتی ہے "(ابن ماجہ)۔ لہٰذا رمضان میں ہم پورے اخلاص سے روزے رکھنے کا فرض ادا کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا، معافی اور رحم طلب کرتے ہیں اور اس کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اسی طرح خلافت کا معاملہ بھی ڈھال ہی کی طرح ہے جو کہ صرف ایک فرد کے لیے ڈھال نہیں ہوتی بلکہ پوری امت کی ڈھال ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ**" بے شک امام (خلیفہ) ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر تم لڑتے ہو اور اس کے ذریعے تم تحفظ حاصل کرتے ہو"(مسلم)۔ اس کے علاوہ یہ فرضیت صرف ایک حکم شرعی نہیں ہے بلکہ حقیقت میں اس کے ذریعے اسلام مکمل طور پر نافذ ہوتا ہے اور اس کے دعوت و اشاعت اور اس کا تحفظ ہوتا ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کے دور کے بعد خلافت امت کے لیے دشمنوں کے سامنے ڈھال کی مانند تھی۔ رمضان میں اسلامی ریاست بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کے خلاف افواج کو حرکت میں لا کر اہم فتوحات حاصل کرتی تھی۔ رمضان 13 ہجری میں خلافت نے فارس کی سلطنت کو بویب کی جنگ میں شکست دی، اس کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کی تباہی کی بنیاد ڈال دی۔ رمضان 92 ہجری میں خلافت نے اندلس (اسپین) کو فتح کیا اور پھر کئی صدیوں تک یورپ پر اسلام کی حکمرانی کے لیے دروازے کھلے رہے۔ رمضان 92 ہجری میں ہی محمد بن قاسمؒ نے برصغیر پاک و ہند کے دروازے اسلام کے لیے کھول دیے اور پھر کئی صدیوں تک ہندو مشرکین پر اسلام کی بالادستی برقرار رہی۔ رمضان 223 ہجری میں خلافت نے اموریہ کو فتح کیا جو کہ طاقتور سلطنت روم کا فخر تھا۔ رمضان 658 ہجری میں خلافت نے عین جالوت کے

اس رمضان ایک طرف عرب مسلمانوں پر مسلط حکمران "نارملائزیشن" کے نام پر یہودی ریاست کے سامنے گھٹنے ٹیک رہے ہیں تو دوسری جانب پاکستان کے حکمران اسی "نارملائزیشن" کے نام پر ہندو ریاست کے سامنے جھکے چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے حکمران واشنگٹن میں بیٹھے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لیے ہندو ریاست کو معاشی، فوجی، سیاسی اور ثقافتی رعاتیں فراہم کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو ہندو جارحیت کے خلاف " تحمل" کے نام پر منہ توڑ جواب دینے سے روک رہے ہیں۔

مقام پر تاتاریوں کو عبرتناک شکست دی جبکہ اس وقت اسلامی ریاست کا بیشتر حصہ کفار کے قبضے میں چلا گیا ہوا تھا۔ یہ تمام نعمتیں رمضان کے مہینے میں اس لیے حاصل ہوئیں کیونکہ ہر دور میں مسلمان اسلام کے نفاذ، اس کی دعوت و اشاعت اور اس کے تحفظ کی فرضیت سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ لیکن آج جبکہ ہماری ڈھال خلافت موجود نہیں ہے تو ہماری افواج کو مسجد الاقصیٰ کو یہودی ریاست کے قبضے سے آزاد کرانے کے لیے حرکت میں نہیں لایا جاتا۔ ہماری ڈھال خلافت کی غیر موجودگی کی وجہ سے ہماری افواج کو مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کو ہندو مشرکین کے مظالم سے بچانے اور انہیں ان کی غلامی سے آزادی دلانے کے لیے حرکت میں نہیں لایا جاتا۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے تحفظ کے لیے ہماری افواج کو حرکت میں نہیں لایا جاتا بلکہ ہم پر مسلط حکمران ہمارے علاقوں پر کفار کے قبضے کو مستحکم کرنے کے لیے کام کرتے ہیں اور اس مقصد میں کامیابی کے لیے کفار کو ایک کے بعد ایک سہولیات اور رعایت فراہم کرتے ہیں۔ اس رمضان ایک طرف عرب مسلمانوں پر مسلط حکمران "نارملائزیشن" کے نام پر یہودی ریاست کے سامنے گھٹنے ٹیک رہے ہیں تو دوسری جانب پاکستان کے حکمران اسی "نارملائزیشن" کے نام پر ہندو ریاست کے سامنے جھکے چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے حکمران واشنگٹن میں بیٹھے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لیے ہندو ریاست کو معاشی، فوجی، سیاسی اور ثقافتی رعاتیں فراہم کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو ہندو جارحیت کے خلاف " تحمل" کے نام پر منہ توڑ جواب دینے سے روک رہے ہیں۔ یقیناً باجوہ- عمران حکومت ہمارے لیے قبر کھود رہی ہے اور ہندو ریاست کے "اکھنڈ بھارت" کے خواب کو پورا کرنے میں بھرپور عملی کردار ادا کر رہی ہے بالکل ویسے ہی جیسے عرب مسلمانوں پر مسلط حکمران " گریٹر اسرائیل" کی بنیادیں رکھنے میں معاونت فراہم کر رہے ہیں۔

اس رمضان مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ رمضان کے روزے رکھنے کے ساتھ ساتھ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد بھی کریں۔

ختم شد

تفسیر سورۃ البقرۃ: آیت 188

فقیہ اور مدبر سیاست دان امیر حزب التحریر شیخ عطا بن خلیل ابو رَشتہ کی کتاب **تیسیر فی اصول التفسیر** سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرة:188]

" اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔"

(البقرۃ:188)

اس آیت کو گزشتہ روزے والی آیات پر عطف کیا گیا ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ روزے کی آیات کا موضوع عبادات ہے، جبکہ اس آیت کا موضوع عبادات نہیں بلکہ معاملات ہے، گویہ دونوں الگ الگ موضوع ہیں، مگر یہ عطف دو اہم امور بیان کرنے کے لیے ہے:

1- اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور احکامات کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، چنانچہ ایک حکم اور دوسرے حکم میں، یا ایک واجب اور دوسرے واجب میں کوئی فرق نہیں۔ جس ذات اقدس نے عبادات کو بیان کیا ہے، اسی ذات نے معاملات، عقوبات (سزاؤں)، سیاست و جہاد کے احکامات بتائے ہیں اور اُسی ذات نے اخلاق، مطعومات اور لباس وغیرہ کو بیان کیا، اور یہ تمام احکامات تنفیذ و التزام (پابندی) کے اعتبار سے اتنی ہی قوت رکھتے ہیں جتنی کہ عبادات ہیں، چنانچہ عبادات میں سے فرض اعمال، معاملات اور عقوبات میں سے فرض اعمال کی مانند ہیں، مثلاً خلیفہ کی فرض بیعت فرض عبادات ہی کی طرح ہے، اسی طرح جہاد اور باقی فرض احکامات ہیں، اور ان میں فرق کرنا ہر گز درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایسا کل ہے جس کے اجزا نہیں کیے جا سکتے اور اسلام کی طرف دعوت ایک ہی ہے کہ ریاست، زندگی اور معاشرے میں اسے نافذ کرنے کیا جائے۔

> چنانچہ عبادات میں سے فرض اعمال، معاملات اور عقوبات میں سے فرض اعمال کی مانند ہیں، مثلاً خلیفہ کی فرض بیعت فرض عبادات ہی کی طرح ہے، اسی طرح جہاد اور باقی فرض احکامات ہیں، اور ان میں فرق کرنا ہر گز درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایسا کل ہے جس کے اجزا نہیں کیے جا سکتے اور اسلام کی طرف دعوت ایک ہی ہے کہ ریاست، زندگی اور معاشرے میں اسے نافذ کرنے کیا جائے۔

2- روزہ دار کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کھانے پینے کے معاملات کی صفائی میں تمام لوگوں سے زیادہ محتاط ہو، چنانچہ عمدہ اور حلال مال رکھے، اور ملکیت کے تمام غیر شرعی اسباب سے کُلی طور پر اجتناب کرے، جیسے رشوت، دھوکہ، نفاق، حکمرانوں کی ایسی اطاعت کرنا جو خالق کی نافرمانی پر مبنی ہو اور اللہ کی طرف سے حلال قرار دیے گئے طریقوں کے علاوہ حکمرانوں سے کچھ حاصل کرنے کے لیے ان کے سامنے بُرائی کو خوشنما بنانا اور یوں لوگوں کے حقوق غصب کرنا۔

یہ سب اس لیے ہے تاکہ روزہ دار تقویٰ حاصل کر پائے جسے اللہ سبحانہ نے روزے کی حکمت بتایا ہے، اس لیے روزے سے متعلقہ آیات کے آخر میں ہی اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک آیا ہے: **كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ** "اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان کرتے ہیں تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں"۔ شروع میں مذکورہ آیت کو اسی آیت پر عطف کرتے ہوئے باطل طریقے سے اموال نہ کھانے کا کہا گیا، جو تقویٰ کا نتیجہ ہے، کیونکہ صاحب تقویٰ بننے کے لیے ہر قسم کے حرام مال اور مال اکٹھا کرنے کے تمام غیر مشروع اسباب سے کلی طور پر اجتناب واجب ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ حرام سے اجتناب فقط روزہ دار کی ذمہ داری ہے، بلکہ سارے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے، البتہ روزہ داروں کے لیے اس حکم (تقویٰ) میں مزید شدت اور اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے، اس سے روزے دار کے اخلاص اور تقویٰ میں اس کے صدق پر بھی دلالت ہوتی ہے۔

وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "آپس میں اپنے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ" یعنی ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔ جیسا کہ سورۃ الحجرات میں آیا ہے: **وَلاَ تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ**

" اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ"(الحجرات:11)۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دیا کرو۔ یہ الجمع علی الجمع کی تقسیم کے موضوع میں سے نہیں، جیسے عرب کہتے ہیں "رکبوا دوابھم" وہ اپنی سواریوں پر سوار ہوئے" یہ اس جملے کا لغوی معنی ہے جبکہ محاوراتی زبان میں معنی یہ لیتے ہیں کہ ہر ایک اپنی سواری پر سوار ہوا۔ مذکورہ آیت اس باب سے نہیں ورنہ معنی یہ بنیں گے: "تم میں سے ہر ایک اپنے مال کو نہ کھائے"، ظاہر ہے کہ یہ معنی مقصود نہیں، اس پر [**بَيْنَكُمْ**] دلالت کرتا ہے۔[**بَيْنَكُمْ**] کے معنی ہیں آپس میں۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ "ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ"

وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ (تُدلوا)

اِدلَاء سے ہے، ادلاء اصل لغت میں کنوئیں میں ڈول پھینکنے کے معنی میں آتا ہے، یہاں یہ مجازاً کسی چیز تک رسائی کے لیے مطلقاً کوئی چیز پھینکنے کے معنی میں ہے۔

اب یہاں اس کے معنی ہیں: کچھ مال برے حکمرانوں کو بطور رشوت نہ دو۔

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ□ تاکہ دوسروں کے مالوں پر بغیر کسی حقیقی وجہ کے قبضہ کر سکو، اور رشوت دے کر تمہارے حق میں فیصلہ دیا جائے، حالانکہ تمہیں پتہ بھی ہو کہ تم حق پر نہیں۔

کوئی بھی شخص جسے یہ معلوم ہو کہ اس کا حق نہیں تھا مگر فیصلہ اس کے حق میں کر دیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے لیے وہ مال لینا جائز نہیں، بلکہ ایسا مال آگ کا ایک ٹکڑا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:((إنما أنا بشر وأنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فأقضي له على نحو ما أسمع منه، فمن قضيت له بشيء من حق أخيه فلا يأخذنه فإنما أقطع له قطعة من نار))"میں ایک انسان ہوں، تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی دلیل کو دوسرے سے زیادہ عمدہ طریقے سے بیان کرنے والا ہو اور میں اُس کے حق میں فیصلہ کر دوں اس بات کے مطابق جو میں نے اُس سے سنی۔ پھر میں جسے اُس کے بھائی سے کچھ دلا دوں تو اسے نہ لے کیونکہ میں اُس کے لیے جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔"(بخاری و مسلم)

اس آیت اور حدیث سے ہی استدلال کیا گیا ہے کہ قاضی کا فیصلہ باطناً (مخفی حقیقت پر) نافذ نہیں ہوتا، اس وجہ سے اگر لینے والا یہ جانتا ہو کہ اس کا حق نہیں، تو اس کے لیے قاضی کے فیصلے پر عمل کرنا جائز نہیں۔

ختم شد

بقیہ صفحہ 6 سے

سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا** " اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا"(الاحزاب 33:67)۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ۔ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ** "اور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟ بڑے آدمی کہیں گے کہ تم (بھی اور) ہم (بھی) سب دوزخ میں (رہیں گے) اللہ بندوں میں فیصلہ کر چکا ہے"(غافر 48-47)۔

ختم شد

بقیہ صفحہ 32 سے

الامر موجود ہی نہیں، ہاں سرکش اور احمق قسم کے انسان ہی ہیں جنہوں نے اللہ کی شریعت کو معطل کیے رکھا ہے اور وہ جاہلیت کے قوانین کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں۔

لہٰذا اولی الامر کی اطاعت سے متعلقہ نصوص سے استدلال اور انہیں آج کے حکمرانوں پر لاگو کرنے کی کوشش کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص زانی وزانیہ پر میاں بیوی کے احکام لاگو کرنے کی کوشش کرے۔

چنانچہ ان کی اطاعت کا کوئی بھی حکم دینا معصیت کا حکم دینا اور باطل قانون سازی ہے، کفر کی حکومت کی نصرت ہے اور گناہ وبغاوت میں تعاون کے زمرے میں آتا ہے، ایسا کرنا الٰہی احکامات کا تمسخر ہے، امت کے ساتھ خیانت ہے اور بغیر سمجھ کے اللہ پر افترا کرنا ہے۔

صرف یہی بحث (ولی الامر کی تحقیق المناط) اس شبہے کو اوندھا کر دینے کے لیے کافی ہے، بلکہ اسی سے ان لوگوں کی کج روی اور اللہ کے مقابلے میں جرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، جس میں حکمرانوں اور ان سرکش پیشواؤں کو مقدس ماننے والے یہ شدت پسند گرے پڑے ہیں۔

ختم شد

اسلام کے مخلص محافظ

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

28 رجب 1342 ہجری بمطابق 3مارچ 1924 عیسوی کو خلافت کے خاتمے کے بعد سے مسلمان مسلم دنیا کے حکمرانوں کے ہاتھوں شدید مظالم برداشت کررہے ہیں۔ یہ حکمران اسلام کے لیے صرف زبانی جمع خرچ کرتے ہیں اور انسانوں کے بنائے قوانین کے مطابق حکمرانی کرتے ہیں جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ** " اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکمرانی نہ کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں "(المائدہ 5:45)۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی قائم کرکے ان حکمرانوں کے ظلم کا خاتمہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ** "اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتا دیکھیں اور اُسے اس سے نہ روکیں تو جلد ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ انہیں سزا دے گا"(ترمذی)۔

یقیناً مسلم دنیا میں موجود بااثر لوگ اور اہلِ قوت اس ظلم کو ختم کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ آج بھی یہی صورتحال ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی یہی صورتحال تھی۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر بااثر لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے دعا کی، اور فرمایا، **اللهم أعز الإسلام بأحب الرجلين إليك: بعمر بن الخطاب أو بأبي جهل بن هشام** "اے اللہ! اسلام کو طاقت دے خاص طور پر ان دو افراد میں سے کسی ایک کے ذریعے جس سے آپ زیادہ محبت کرتے ہیں، عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام"۔ تو ہم نے دیکھا کہ کس طرح عمرؓ اور حمزہؓ کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اسلام کو تقویت حاصل ہوئی۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کس طرح حمزہؓ اور عمرؓ نے دار الارقم سے صحابہؓ کی قیادت کرتے ہوئے ایک ریلی نکالی اور اپنی طاقت کا عوامی مظاہرہ کیا۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی دیکھا کہ معزز انصارؓ نے نُصرۃ (مدد) دی اور ظلم کا خاتمہ ہوا اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست قائم ہوئی۔

آج کے جابر حکمران بااثر لوگوں کی وفاداریاں خریدنے کے لیے امت کے خزانے انہیں دینے کی پیشکش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف ان بااثر لوگوں کو بولنے سے روکنے کے لیے یہ جابر دھمکیوں کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ لیکن آخرت کے خزانے ان لوگوں کا انتظار کررہے ہیں جو اپنے امتیازی رتبے کو جابر کی جانب سے رشوت کی پیشکش اور دھمکیوں کے باوجود سچ کی سربلندی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بااثر اور اہل قوت افراد کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اس معاملے کو سمجھیں، چاہے وہ جج ہوں یا صحافی، صنعتکار ہوں یا علماء یا افواج کے افسران ہوں۔

آج بااثر اور اہل قوت افراد بیک وقت موجودہ نظام سے براہ راست فوائد بھی اٹھارہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ اُس تبدیلی کو لانے میں اہم ترین کردار ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں جس تبدیلی کا بہت شدت سے انتظار کیا جارہا ہے۔ آج کے جابر حکمران بااثر لوگوں کی وفاداریاں خریدنے کے لیے امت کے خزانے انہیں دینے کی پیشکش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف ان بااثر لوگوں کو بولنے سے روکنے کے لیے یہ جابر دھمکیوں کا سہارا بھی لیتے ہیں۔ لیکن آخرت کے خزانے ان لوگوں کا انتظار کررہے ہیں جو اپنے امتیازی رتبے کو جابر کی جانب سے رشوت کی پیشکش اور دھمکیوں کے باوجود سچ کی سربلندی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بااثر اور اہل قوت افراد کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اس معاملے کو سمجھیں، چاہے وہ جج ہوں یا صحافی، صنعتکار ہوں یا علماء یا افواج کے افسران ہوں۔ بااثر اور اہل قوت افراد کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ بذات خود بھی ایک امتیازی رتبے کے حامل تھے۔ آپ ﷺ کو تمام قبائل میں یہ منفرد اعزاز حاصل تھا کہ کعبہ کی تعمیر نو کے بعد حجر اسود آپ ﷺ کے ہاتھوں نصب کیا گیا۔ آپ ﷺ الصادق اور الامین کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ ﷺ برضا و رغبت اپنے اعزاز کو داؤ پر لگاتے ہوئے صفاء کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور قبائل کو دین حق یعنی اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی خوف کی پروا نہیں کی، اور اس وقت تک اس

آزمائش سے پُر راہ پر چلتے رہے جب تک اللہ کا دین حاوی نہیں ہو گیا۔

بااثر اور اہل قوت افراد کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی کئی قسم کی ترغیبات رکھی گئی تھیں۔ ایک دن مکّہ کے کچھ اہم افراد کعبہ میں جمع ہوئے۔ عتبہ بن ربیعہ، جو ان کا سردار تھا، اس نے یہ تجویز دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سمجھوتے کی پیشکش لے کر جائے۔ یہ پیشکش کہ اگر رسول اللہ ﷺ اسلام کی دعوت سے دستبردار ہو جائیں تو انہیں منہ مانگی دولت دی جائے گی۔ قریش کے لوگوں نے عتبہ کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ، "تم نے ہمارے معبودوں اور مذہب کی بے حرمتی کی اور ہمارے آباؤاجداد اور ذہین لوگوں پر گناہ اور غلطی کا الزام لگایا اور ہمارے درمیان اختلاف پیدا کیا۔ تم نے ہمارے ساتھ تعلقات کو خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اگر تم یہ سب کچھ اس لیے کر رہے ہو کہ دولت حاصل کر سکو، تو ہم مل کر تمہیں اتنی دولت دے دیتے ہیں جو کسی قریشی کے پاس نہیں ہو گی۔ اگر سرداری کی خواہش کی وجہ سے یہ کام کر رہے ہو تو تمہیں ہم اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف ان کی ترغیبات کو مسترد کر دیا بلکہ آپ ﷺ نے اس کا جواب اپنے سچے پیغام سے دیا اور قرآن کی آیات تلاوت فرمائیں۔ کیا آج کے بااثر اور اہل قوت افراد کو اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کرنا چاہیے؟

بااثر اور اہل قوت افراد کو جابروں کی دھمکیوں کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی بھرپور استقامت سے نصیحت لینی چاہیے۔ مشرکین مکّہ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب سے رابطہ کیا اور اُن پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے بھتیجے کی سرگرمیوں کو روکیں اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ انہیں اپنے شدید غصے کا نشانہ بنائیں

وہ بااثر اور اہل قوت افراد جو اسلام کی حمایت کرنے کے نتیجے میں نقصان سے ڈرتے ہیں تو وہ یہ جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نقصان کسی نے نہیں اٹھایا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ** "اللہ کی راہ میں مجھے ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ اتنی کسی کو نہ دی گئی ہوں گی، اور میں اللہ کی راہ میں اس قدر ڈرایا گیا کہ اتنا کوئی نہیں ڈرایا گیا ہو گا، اور مجھ پر مسلسل تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور بلال کے لیے کوئی چیز کھانے کی نہ تھی جسے کوئی ذی روح کھاتا سوائے اس کے جو بلال کی بغل کے نیچے پورا آ جائے" (ترمذی)۔

گے۔ ابو طالب اپنے لوگوں کی دشمنی اور کھلی دھمکی کی وجہ سے شدید پریشان ہو گئے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کو بھی بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے بھتیجے کو بلوایا اور قریش کے لوگوں نے جو پیغام دیا تھا اس سے آپ ﷺ کو آگاہ کرتے ہوئے کہا، "مجھے اور اپنے آپ کو بخش دو اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جو میں نہیں اٹھا سکتا"۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ یہ سمجھے کہ ان کے چچا ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور ان کی حمایت نہیں کریں گے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا، **يَا عَمِّ ، وَاللَّهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي ، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يُظْهِرَهُ اللَّهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ** "اے چچا! اللہ کی قسم، اگر وہ میرے سیدھے ہاتھ پر سورج اور میرے بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں، تو بھی میں اس دعوت سے دستبردار نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میں اس راہ میں مارا جاؤں"۔

وہ بااثر اور اہل قوت افراد جو اسلام کی حمایت کرنے کے نتیجے میں نقصان سے ڈرتے ہیں تو وہ یہ جان لیں کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نقصان کسی نے نہیں اٹھایا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللَّهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ** "اللہ کی راہ میں مجھے ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ اتنی کسی کو نہ دی گئی ہوں گی، اور میں اللہ کی راہ میں اس قدر ڈرایا گیا کہ اتنا کوئی نہیں ڈرایا گیا ہو گا، اور مجھ پر مسلسل تیس دن اور راتیں ایسی گزریں کہ میرے اور بلال کے لیے کوئی چیز کھانے کی نہ تھی جسے کوئی ذی روح کھاتا سوائے اس کے جو بلال کی بغل کے نیچے پورا آ جائے" (ترمذی)۔

کیا بااثر اور اہلِ قوت افراد کا محض حکمرانوں کی دھمکیوں کے سامنے جھک جانا درست

ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تو ان کے مظالم کا سامنا بھی پوری استقامت کے ساتھ کیا؟ بخاری نے روایت کیا کہ عروہ بن زبیر نے روایت کیا کہ میں نے عمرو بن العاصؓ سے پوچھا، "رسول اللہ ﷺ کے خلاف مشرکین نے جو سب سے بدترین کام کیا مجھے اس کے متعلق بتاؤ"۔ انہوں نے کہا، **بَيْنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يُصَلِّي فِي حِجْرِ الْكَعْبَةِ إِذْ أَقْبَلَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ فِي عُنُقِهِ فَخَنَقَهُ خَنْقًا شَدِيدًا** "رسول اللہ ﷺ کعبہ کے حجر میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اپنی چادر پیغمبر کی گردن کے گرد لپیٹ کر ان کا گلا شدت سے گھونٹنے لگا"۔ ابو بکر آئے اور اسے اس کے کندھے سے پکڑا اور رسول اللہ ﷺ سے دور ہٹایا اور یہ آیت تلاوت کی، **أَتَقْتُلُونَ رَجُلاً أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ** "کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ 'میرا پروردگار اللہ ہے؟'" (غافر40:28)۔

اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ سجدے کی حالت میں تھے کہ ابو جہل بن ہشام، شیبہ، عتبہ بن ربیعہ، عقبہ بن معیت، امیہ بن خلف اور دو مزید لوگ رسول اللہ ﷺ کے قریب موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ طویل سجدے میں تھے۔ ابو جہل نے کہا، "کون بنی فلاں کے ذبح کیے گئے اونٹ کی باقیات لائے گا اور اسے محمد پر ڈال دے گا"۔ عقبہ بن معیت، جو اُن میں سب سے زیادہ بد بخت اور گھٹیا آدمی تھا، اٹھا اور اونٹ کی اوجھ لا کر رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دیں۔ رسول اللہ ﷺ اِس وقت بھی سجدے کی حالت میں تھے۔ ابن مسعود نے کہا، "میں وہاں کھڑا تھا لیکن کچھ نہ کہہ سکا کیونکہ وہاں ایسا کوئی نہیں تھا جو میری حفاظت کرتا۔ میں وہاں سے نکل رہا تھا جب میں نے فاطمہؓ، رسول اللہ ﷺ کی بیٹی، کو دیکھا جو اس صورتحال کے متعلق جان کر وہاں پہنچی تھیں، اور انہوں نے اس گند کو رسول اللہ ﷺ کے کندھوں سے ہٹایا اور قریش کو بددُعا دی" (بزار، طبرانی)۔

کیا اس حقیقت کو جاننے کے بعد بھی اہلِ قوت افراد نُصرۃ فراہم نہیں کریں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے نُصرۃ کے حصول کے لیے کس قدر تکالیف برداشت کیں؟ عروہ بن زبیر نے روایت کیا کہ، "جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی آزمائشوں میں مزید شدت آگئی لہٰذا آپ ﷺ نُصرۃ کے حصول کے لیے طائف کی جانب روانہ ہوئے اور اس کے تین سرداروں، عبدیالیل بن عامر، خبیب بن عامر اور مسعود بن عامر، سے ملے جو آپس میں بھائی تھے اور خود کو ان کے سامنے پیش کیا اور انہیں اپنے لوگوں (قریش) اور ان کے مظالم کے متعلق بتایا۔ ان میں سے ایک نے کہا، "اگر اللہ نے تمہیں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبہ کی چادر نوچوں گا"۔ دوسرے بھائی نے کہا، "اللہ کی قسم! آج کے بعد میں تم سے ایک لفظ بھی بات نہیں کروں گا اگر تم پیغمبر ہو کیونکہ پھر تو تمہارا رتبہ بہت اونچا ہے"۔ تیسرے بھائی نے کہا، "اللہ تمہارے سوا کسی اور کو نہیں بھیج سکتا تھا؟" اور پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف طائف میں جھوٹی مہم شروع کردی۔ انہوں نے بنو ثقیف کو جمع کیا، دو قطاریں بنائیں اور آپ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں پتھر اٹھا لیے اور جیسے ہی رسول اللہ ﷺ قدم اٹھاتے تو وہ ان کے قدموں پر پتھر مارتے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑاتے۔ جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکلے تو آپ ﷺ کے پیر مبارک خون میں تربتر تھے"۔ تو کیا اہل قوت نصرۃ نہ دینے کے لیے اپنے بہانوں پر نظر ثانی کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے حصول کے لیے اِس قدر مشکلات اٹھائی تھیں؟

بااثر اور اہل قوت افراد کو اسلام کی مظلوم امت کو ظلم اور مشکلات سے نکالنے والا بننا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر خود کو آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا حق دار ثابت کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ پوری استقامت سے جابروں کی رشوتوں کو مسترد کردیں۔ انہیں اللہ کی رضا کے لیے دھمکیوں اور نقصان کا سامنا کرنا ہو گا۔ اور انہیں اس بات کی تیاری کرنی چاہئے کہ روزِ آخرت انہیں جابروں کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔ اللہ

بااثر اور اہلِ قوت افراد کو اسلام کی مظلوم امت کو ظلم اور مشکلات سے نکالنے والا بننا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر خود کو آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا حق دار ثابت کریں۔ انہیں چاہیے کہ وہ پوری استقامت سے جابروں کی رشوتوں کو مسترد کردیں۔ انہیں اللہ کی رضا کے لیے دھمکیوں اور نقصان کا سامنا کرنا ہو گا۔ اور انہیں اس بات کی تیاری کرنی چاہئے کہ روزِ آخرت انہیں جابروں کے ساتھ نہ اٹھایا جائے۔

بقیہ صفحہ 3 پر

سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ کی زندگی کے چند لمحات

تحریر: بلال المہاجر، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دورِ حاضر کے مسلمانوں میں سے کم لوگ ہی قد آور اسلامی شخصیات کے بارے میں شناسائی رکھتے ہیں، جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو بامِ عروج تک پہنچانے کے لیے ناقابل فراموش کوششیں کیں۔ موجودہ دور میں ان عبقری شخصیات کی تاریخ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے اور ان کے عظیم کارناموں کے نقوش مٹا دیے گئے ہیں، تعلیمی نصاب اور تعلیمی وسائل میں سے ان کے تذکروں کو غائب کر کے ان کی جگہ مغرب کے جرائم پیشہ قیادتوں اور گمراہ مفکرین کی تاریخیں داخل کی گئی ہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی نئی نسل کے قلوب واذہان سے اپنے آباؤ اجداد میں سے نابغہ روزگار ہستیوں کے کارنامے کھرچے جا رہے ہیں، جنہوں نے پے در پے عظیم فتوحات کی تاریخیں رقم کیں اور چار دانگ عالم توحید کا جھنڈا بلند کیا اور عدل وانصاف کی حکمرانی کی، جس کی مثال انسانی تاریخ میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی۔ مسلم حکمرانوں کی عدل گستری اور امن وآشتی کی شاندار تاریخ کو عام لوگ ایک افسانے کی نظر سے دیکھتے ہیں، دورِ زوال کے انسانوں کے لیے اس کو حقیقت ماننا اس لیے معمہ بنا ہوا ہے کہ یہ دور انسانیت کے زوال کا دور ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جب سے خلافت کے زیر سایہ انسانوں کی حکومتی، اجتماعی اور معاشی زندگی سے اسلام کو بے دخل کیا گیا اور سیکولر نظاموں کو مسلط کیا گیا، تب سے ہی انسانوں کا زوال شروع ہوا۔ ان سیکولر نظاموں کے زیر سایہ انسانیت اجتماعی انحطاط کا شکار ہوئی اور اقتصادی طور پر بدحالی سے دوچار ہوئی جبکہ سیاسی طور پر ان نظاموں نے قوموں کو کچل ڈالنے کا کام کیا، اسی طرح کاپی رائٹس کے اس زمانے میں قومیں سائنسی وٹیکنالوجیکل پس ماندگی میں رہیں۔ انہی نابغہ روزگار ہستیوں اور اسلامی تاریخ کے درخشندہ ستاروں میں سے ایک مغل سلطان اورنگزیبؒ ہیں۔ ان کی ولادت باسعادت بھارتی ریاست گجرات کے علاقہ دوحد میں 15 ذی قعدہ 1028 ہجری مطابق 24 اکتوبر 1619 عیسوی کو ہوئی۔ یہ وہ عظیم سلطان ہیں جن کی عظمت کا شاید ہر ایک کو علم نہیں۔ نڈر، بہادر، شیر دل شخصیت کے مالک، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کفر کو رسوا کیا، جس نے سرکشی وبغاوت اور ظلم وطغیان کی کمر توڑ کر رکھ دی، جس نے اپنی قلمرو میں اہل الحاد کا تار وپود بکھیر دیا اور شر وفساد کا ہر جگہ قلع قمع کیا، ظلم اور ظالموں کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا اور بغاوت وفساد کا صفایا کیا۔ مغرور وسرکش افراد کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرنے پر مجبور کیا، ہر اس آدمی پر حجت قائم کر کے ذلت مسلط کی جس نے حق سے منہ پھیرا، مسلمانوں کو درست منہج پر چلایا، وہ خاص وعام کا خیر خواہ اور امین تھا، اور اپنے دور میں دین کی تجدید کی، یہی وجہ ہے کہ ان کو بقیۃ الخلفاء الراشدین کا لقب ملا۔

موجودہ دور میں ان عبقری شخصیات کی تاریخ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی ہے اور ان کے عظیم کارناموں کے نقوش مٹا دیے گئے ہیں، تعلیمی نصاب اور تعلیمی وسائل میں سے ان کے تذکروں کو غائب کر کے ان کی جگہ مغرب کے جرائم پیشہ قیادتوں اور گمراہ مفکرین کی تاریخیں داخل کی گئی ہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ مسلمانوں کی نئی نسل کے قلوب واذہان سے اپنے آباؤ اجداد میں سے نابغہ روزگار ہستیوں کے کارنامے کھرچے جا رہے ہیں، جنہوں نے پے در پے عظیم فتوحات کی تاریخیں رقم کیں اور چار دانگ عالم توحید کا جھنڈا بلند کیا اور عدل وانصاف کی حکمرانی کی

عظیم مسلمان قائدین کی پرورش منفرد طور پر ہوتی ہے۔ ان کے اندر حقیقی قیادت کی نشانیاں ان کی زندگی کے اولین ایام سے ہی جھلکتی نظر آتی ہیں۔ اورنگزیب کے اندر بھی کامیابی، دینداری اور فضول خرچی اور لذت کیشی سے اجتناب کی علامات دیکھی گئیں۔ وہ ایک بہادر شہسوار تھا، ان کی تربیت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہوئی، چنانچہ کسی بھی قسم کی آمیزش سے پاک خالص اسلامی تربیت میں پلے بڑھے۔ ان کو شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی صحبت ملی۔ انہوں نے سلطان اورنگ زیب کی مکمل نگہداشت کی اور ان کی تربیت دینی خطوط پر کی، سلطان اورنگزیب نے قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھا، حنفی فقہ پڑھی، اور اس میں ایک مقام حاصل کیا، خوش خطی سیکھی اور اس میں کمال تک پہنچے، اس کے ساتھ گھوڑ سواری اور جنگی تربیت حاصل کی۔ اورنگزیب شعر گوئی پسند کرتے تھے

بلکہ شاعر تھے، عربی، فارسی اور ترکی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ ان کے برعکس آج کے مسلم حکمرانوں کی تربیت گاہیں وہ محلات ہیں جہاں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، وہ فقط مغربی ثقافت اور اجنبی زبانوں سے آشنا ہوتے ہیں، اور ان کی تربیت کا کام اجنبی مرد و خواتین اساتذہ کے سپرد ہوتا ہے، جو ان کی تربیت مغربی خطوط پر کرتے ہیں، اور پھر یہ حکمران مغرب ہی کے کام آتے ہیں، بلکہ بسا اوقات یہ مغربی تربیت یافتہ اشخاص تو اپنی مادری زبان بھی پوری طرح نہیں بول پاتے۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں تو انہیں مغربی یونیورسٹیوں اور مغربی دانشگاہوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ برطانوی مذہبی و فوجی یونیورسٹی "سینٹ ہرسٹ" تو مسلم حکمرانوں کے بیٹوں کا قبلہ بن چکا ہے، جنہیں وہاں بھیجا جاتا ہے، یا وہ اس طرز کی مغرب کی دیگر یونیورسٹیوں میں داخلہ لیتے ہیں، جہاں مغربی عناصرِ شخصیت سے ان کی شخصیتیں پروان چڑھتی ہیں، اور پھر کفر اور آتش و آہن کے وسائل سے لیس ہو کر مسلمانوں کی گردنوں پر حکمرانی کے لیے وہاں سے نکل کر واپسی کی راہ لیتے ہیں۔ یہ استعماری ریاستوں کے نمائندہ بن کر مغربی آفیسرز کی طرح استعماری کفار کی حکومتوں کی حفاظت کا کام کرتے ہیں جنہیں انہوں نے مسلم ممالک پر مسلط کر رکھا ہے اور ان کا کام مغرب کے مفادات کا تحفظ اور اسلامی ممالک کے وسائل کو لوٹنا ہوتا ہے۔

بلاشبہ جس کی تربیت اسلام پر ہوئی ہو اور وہ یہ صلاحیت بھی رکھتا ہو کہ کج رو حکمران کو سیدھے راستے پر لائے، یا بد تر صورتحال کو بدل سکتا ہو، ایسی شخصیت کبھی بھی حق کے معاملے میں نرمی برتنے، باطل کے ساتھ سمجھوتہ کرنے، اور درمیانی حل یا پیوندکاری کو قبول نہیں کرتا۔ مسلمان حق اور باطل کی عینک سے معاملات کو دیکھتا ہے، حق و باطل آپس میں مکمل طور پر متضاد ہیں، اور وہ یہ تضاد واضح محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب اورنگزیبؒ نے اپنے والد شاہ جہاں کے اندر اسلامی حکمرانی کے حوالے سے سستی دیکھی اور اسے یہ اندازہ تھا کہ والد کی سلطنت میں پیدا شدہ ٹیڑھے امور کی اصلاح کی جا سکتی ہے، تو اس نے اپنے والد اور بھائیوں کو حکومت سے ہٹا دیا اور اپنے حکمران ہونے کا اعلان کر دیا، اس وقت ان کی عمر 40 سال تھی۔ حکمران بننے کے بعد اورنگزیب نے آرام و راحت کو بالائے طاق رکھا اور 52 سال تک جہاد میں مشغول رہے، یہاں تک کہ برصغیرِ ہند کے شمال میں ہمالیہ کی بلندیوں سے لے کر جنوب میں بحر ہند کی وسعتوں تک اور موجودہ بنگلا دیش سے لے کر ایران کی سرحدوں تک کا سارا علاقہ اسلامی حکمرانی کے آگے سرنگوں ہو گیا۔ اورنگزیب کے دور میں ہندوستان کی اسلامی مغلیہ سلطنت کو انتہائی وسعت حاصل ہوئی۔ اس کی وجہ وہ فوجی و عسکری جدوجہد تھی جو سلطان نے جاری رکھی، بالآخر ہندوستان کے چپے چپے پر سلطان کو تسلط حاصل ہوا۔ اورنگزیب نے برصغیر ہند کو مغل اسلامی ولایہ میں بدل دیا اور اس کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کو ایک ہی قیادت کے تحت مربوط کر دیا۔ اورنگزیب کے عہد سلطنت میں مسلمانوں نے 30 سے زیادہ معرکے سر کیے، جن میں 11 معرکوں میں خود قیادت کی اور باقی میں اپنے کمانڈروں کو قیادت سپرد کی۔

سلطان مرحوم کی حکمرانی میں اچھی حکمرانی واضح نظر آتی ہے، انہوں نے عملی کاموں پر توجہ دی، آج کی طرح صرف کھوکھلے نعروں سے کام نہیں لیا۔ ریاست مدینہ صرف دعوؤں سے قائم نہیں کی جا سکتی، جو لوگ ریاست مدینہ کے قیام کے دعویدار ہیں، انہیں چاہیے کہ جو شریعت مدینے میں نافذ کی گئی تھی وہی نافذ کریں، خالی نعروں سے کچھ نہیں ہوتا۔ سلطان اورنگزیب نے جب حکمرانی کا منصب سنبھالا تو 80 ٹیکس فی الفور ختم کر دیے، اور غیر مسلموں پر جزیہ عائد کیا، جس کو اورنگزیب کے آباؤ اجداد نے معطل کر دیا تھا۔ مساجد، حمام، خانقاہیں، مدارس اور ہسپتال قائم

> سلطان مرحوم نے عملی کاموں پر توجہ دی، آج کی طرح صرف کھوکھلے نعروں سے کام نہیں لیا۔ ریاست مدینہ صرف دعوؤں سے قائم نہیں کی جا سکتی، جو لوگ ریاست مدینہ کے قیام کے دعویدار ہیں، انہیں چاہیے کہ جو شریعت مدینے میں نافذ کی گئی تھی وہی نافذ کریں، خالی نعروں سے کچھ نہیں ہوتا۔ سلطان اورنگزیب نے جب حکمرانی کا منصب سنبھالا تو 80 ٹیکس فی الفور ختم کر دیے، اور غیر مسلموں پر جزیہ عائد کیا، جس کو اورنگزیب کے آباؤ اجداد نے معطل کر دیا تھا۔ مساجد، حمام، خانقاہیں، مدارس اور ہسپتال قائم کیے، راستوں کی مرمت کی، باغ بنائے، ان کے عہد سلطنت میں دہلی دنیا کا متمدن شہر بن گیا تھا، انہوں نے قاضی مقرر کیے اور ہر صوبے میں اپنے نائب متعین کیے، لوگوں میں یہ اعلان کروایا کہ "جس کا سلطان پر کوئی حق ہو تو وہ سلطان کے نائب کے پاس مقدمہ لے کر جائے"۔

کیے، راستوں کی مرمت کی، باغ بنائے، ان کے عہد سلطنت میں دہلی دنیا کا متمدن شہر بن گیا تھا، انہوں نے قاضی مقرر کیے اور ہر صوبے میں اپنے نائب متعین کیے، لوگوں میں یہ اعلان کروایا کہ "جس کا سلطان پر کوئی حق ہو تو وہ سلطان کے نائب کے پاس مقدمہ لے کر جائے"۔ نوروز وغیرہ جیسی کفریہ تہواروں پر پابندی لگائی، حکمرانوں کو دیے جانے والے لمبے چوڑے خطابات اور سلاموں کو بند کر دیا، حکم دیا کہ صرف اسلامی سلام کو کافی سمجھا جائے۔ اپنے ملک میں شراب کے داخلے پر پابندی لگائی اور قاضیوں کے لیے ایک کتاب متعین کی جس سے رجوع کر کے وہ حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کریں۔ سلطان نے یہ کتاب اپنی نگرانی میں تصنیف کروائی جو "الفتاویٰ الہندیہ" (فتاویٰ عالمگیری) کے نام سے مشہور ہے۔ حکمرانی کے کاموں میں مصروفیت انہیں اللہ کی کتاب لکھنے سے روک نہیں سکی، چنانچہ سلطان نے حکمرانی کی کرسی پر بیٹھ کر قرآن کریم کے حفظ کو مکمل کیا۔

اچھی حکمرانی کا ایک مظہر یہ تھا کہ سلطان نے وہ کام کیے جو اس کے زمانے میں رائج نہیں تھے، مثلاً کسی عالم کو عطیہ یا تنخواہ دیتے تو اس سے کوئی کام ضرور لیتے اور کوئی کتاب لکھنے یا طالبعلموں کو پڑھانے کا مطالبہ کرتے، تاکہ مفت خور بن کر سستی کا شکار نہ ہو جائیں، ایسا عالم دوگنی برائی کا شکار ہو جاتا ہے، ناحق مال لینا اور علم چھپانا۔ مشائخ کے ساتھ عاجزی سے پیش آتے اور ان کو قریب کرتے، ان کے مشورے سنتے اور ان کی قدردانی کرتے، اپنے کمانڈروں کو حکم دیا تھا کہ وہ مشائخ کے مشوروں کو انتہائی انکساری سے سنا کریں۔ بڑا پن اختیار کرنے سے سخت نفرت تھی، ایک دفعہ بنگال میں اپنے کسی نائب کے بارے میں سنا کہ اس نے اپنے لیے مسند بنائی ہے اور اس پر بیٹھتا ہے، تو اسے ڈانٹا اور حکم دیا کہ جیسے عام لوگ بیٹھتے ہیں اسی طرح لوگوں میں گھل مل کر بیٹھا کرو۔ آج کے ظالم حکمرانوں کے برعکس جو علماء کی وفاداریاں خریدنے کے لیے ان پر مال نچھاور کرتے ہیں، جس سے خاص قسم کے علماء پیدا ہوئے جنہیں درباری علما کہا جاتا ہے، درحقیقت یہ علماء نہیں ہوتے، بلکہ جاہل ہوتے ہیں، یہ پاکباز اور متقی علماء کی مانند نہیں ہوتے جو حکمرانوں کی غلطی پر ان کا محاسبہ کرتے ہیں اور ان کی کجی درست کرتے ہیں، اور اس کام میں کسی کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ خلیفہ راشد کی حکمرانی کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔

اسلام کے مطابق حکمرانی کرنے والا حکمران وہ ہوتا ہے کہ جو کتاب الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق حکمرانی کرتا ہے، اس لیے ان کا دور حکومت کتنے ہی طویل دورانیے کی ہو، وہ اچھی حکمرانی (گڈ گورنس) کی مثال ہوا کرتی ہے۔ جبکہ ایک حکمران جو اسلام کے احکامات کی بجائے اپنی خواہشات ورجحانات کے مطابق حکمرانی کرتا ہے اور حکمران ٹولے اور اپنے حمایتیوں کے مفاد کے لیے حکمرانی کرتا ہے، اس کا کام بس یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ان کے مفادات کی حفاظت و تکمیل میں جتا رہے، جس کے نتیجے میں کرپشن اور ظلم راج کرتا ہے۔ ایسے حکمران کو ہٹانا لازم ہے خواہ اس کی حکمرانی کو ایک سال ہی ہوا ہو۔

سلطان اورنگزیب کی تعمیر کردہ "بادشاہی مسجد" لاہور آج بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ دعوت نظارہ دیتی کھڑی ہے، جو مسلمانوں کی عظمت وعزت اور شوکت و سطوت کی نشانی ہے۔ سلطان نے 28 ذی قعدہ 1118 ہجری مطابق 20 فروری 1707 عیسوی کو 90 سال کی عمر میں اس دارِفانی سے رحلت فرمائی۔ سلطان نے 52 سال حکومت کی۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب موت کا وقت قریب ہوا تو وصیت کی کہ مجھے مسلمانوں کے نزدیک ترین قبرستان میں دفنادیا جائے اور کفن کے اخراجات پانچ روپے سے زیادہ نہیں ہونے چاہییے۔ مسلم حکمران طویل عرصہ تک حکمران رہ سکتا ہے کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ حکومت کا دورانیہ اتنا طویل کیوں ہوا یا یہ کہ اس کے لیے مخصوص مدت مقرر ہونی چاہیے، جیسا کہ موجودہ زمانے کی حکومتوں میں ہوتا ہے، کیونکہ اسلامی حکمران کتاب الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کے مطابق حکمرانی کرتا ہے، اس لیے ان کا دور حکومت کتنے ہی طویل دورانیے کی ہو، وہ اچھی حکمرانی (گڈ گورنس) کی مثال ہوا کرتی ہے۔ جبکہ ایک حکمران جو اسلام کے احکامات کی بجائے اپنی خواہشات و رجحانات کے مطابق حکمرانی کرتا ہے اور حکمران ٹولے اور اپنے حمایتیوں کے مفاد کے لیے حکمرانی کرتا ہے، اس کا کام بس یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ان کے مفادات کی حفاظت و تکمیل میں جتا رہے، جس کے نتیجے میں کرپشن اور ظلم راج کرتا ہے۔ ایسے حکمران کو ہٹانا لازم ہے خواہ اس کی حکمرانی کو ایک سال ہی ہوا ہو۔

ختم شد

افغانستان کے پکی عمارتوں والے اسکول تعلیم کی فراہمی کے بجائے استعماری جنگ کے ہتھیار ہیں!

تحریر: آمنہ عابد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکہ نے دعویٰ کیا ہے کہ طالبان کی حکومت کو ختم کرنے کے بعد افغانستان میں تعلیم کے شعبے میں تیزی سے بہتری آئی ہے۔وہ افغانستان پر اپنے استعماری قبضے کے بعد چند اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر اور ان میں لڑکیوں کی حاضری کے بڑھنے کے امکان کو بڑی کامیابی کے طور پر دیکھتے ہیں۔لیکن تھوڑی سی گہرائی سے اگر اس جنگ سے تباہ حال ملک کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ نام نہاد ترقی صرف ایک سراب ہے۔افغانستان ابھی بھی ایسے ممالک میں سے ایک ہے کہ جہاں بہت سے چھوٹی عمر کے بچے اسکولوں تک رسائی نہیں رکھتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی بچوں کی ایجنسی (یونیسیف) کے مطابق، افغانستان میں 40 فیصد بچے اسکولوں میں داخل نہیں ہیں۔ادارہ اشاعت برائے جنگ اور امن(IWPR) کے تحت ایک بحث میں شرکاء نے کہا کہ بہت سے افغان بچے اپنے گھرانوں کی مالی ذمہ داری اُٹھانے کے غرض سے سخت جسمانی محنت پر مجبور ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ تعلیم سے محروم ہیں۔ ملک کے 31 فیصد بچے اپنے گھرانوں کی کفالت کرنے کی وجہ سے غیر قانونی طور پر بھاری مزدوری کرنے پر مجبور کیے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر، صرف صوبہ ننگرہار میں اسکول جانے کی عمر والے تقریباً پندرہ ہزار بچے امریکا کی طرف سے مسلط جنگ کی وجہ سے غربت اور دیگر مسائل کا شکار ہیں اور اس وجہ سے وہ تعلیم سے محروم ہیں۔

سلامتی کے خطرات کی وجہ سے سینکڑوں اسکول بند ہیں اور 65 فیصد کی تعلیمی سرگرمیاں کھلے آسمان تلے سرانجام پاتی ہیں۔اس تحقیق کے باوجود کہ 34 صوبوں میں تقریباً 780 بند اسکول ہیں،افغانستان کی وزارت تعلیم (MoE) دعویٰ کرتی ہے کہ اس تعداد کا صرف ایک تہائی بند ہیں۔سب سے بڑا مسئلہ ہے دیہاتوں کے درمیان فاصلے، جوکہ کافی طویل ہیں، اور ان دیہاتوں سے اسکولوں کے لیے سفر خاص طور پر نوجوان بچوں اور لڑکیوں کے لئے خطرناک ہے ۔ یہ مسئلہ خاص طور پر صوبہ غور میں بہت واضح ہے، جہاں صرف 29 فیصد آبادی کسی بھی پرائمری اسکول سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر رہتی ہے جبکہ باقی لوگ اس سے بھی زیادہ دوری پر رہائش پزیر ہیں ۔ اس صوبے میں 6 سے 13 سال کی عمر کے صرف 28 فیصد بچے اسکول میں داخل ہیں۔ افغانستان کے دیگر دیہاتی علاقوں کی شرح بھی اسی کے لگ بھگ ہے۔صوبہ ہلمند کے تعلیمی شعبہ نے بتایا کہ گذشتہ تین چار سال سے 454 اسکولوں میں سے 104 بند ہیں۔حال ہی میں سیکیورٹی خطرات کی وجہ سے مزید69 اسکول بند کر دیے گیے ہیں۔صوبے میں داخل طلباء کی تعداد صرف 192500 ہے جن میں 51867 لڑکیاں ہیں۔ صوبہ زابل میں 60 فیصد بچے اسکول جانے کے قابل ہی نہیں ہیں۔شاہجو، ڈایاچوپان، ارغنداب، شامیلزی اور شنکائی جیسے اضلاع بدترین طور پر متاثرہیں۔ اُروزگان میں 2012 سے 292 رجسٹرڈ اسکولوں میں سے 60 سے زائد بند ہیں۔ صوبہ فراح میں 367 اسکولوں میں سے 54 بند ہیں۔ تخار، سرے پُل ،بغلان ، پروان، ننگرہار، قندوز، اور بدخشان جیسے صوبوں میں اسکول جانا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ اس کے علاوہ ملک کی سیکیورٹی فورسزنے طالبان کے خلاف اپنے فوجی اڈوں کے طور پر اسکولوں کا استعمال بڑھادیا ہے جو کہ کچھ دیہاتوں میں کنکریٹ کی واحد مضبوط عمارتیں ہیں۔مثال کے طور پر،اپریل 2016 میں ایک مشن کی تحقیق پر مبنی رپورٹ کے مطابق ،امریکی قابض فوجوں نے شمال مشرقی افغانستان کے صوبہ بغلان میں 12 اسکولوں کو اپنے فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اسکولوں کے اِس استعمال نے ان سکولوں کو حملوں سے دوچار ہونے کے خطرے میں ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے طالب علموں اور اساتذہ کی زندگیوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

ایک اور حقیقت جو کہ افغانستان میں تعلیمی بحران کی عکاسی کرتی ہے وہ اسکولوں کی عام حالتِ زار ہے۔ وہاں ہزاروں ایسے اسکول ہیں جو خیموں اور کھلی فضاؤں میں واقع ہیں، اس میں افغان دارلحکومت کابل بھی شامل ہے۔ کابل میں 273 اسکولوں میں سے 81 عارضی جگہوں پر ہیں۔

مثال کے طور پر،صوبہ قندوز کے نصف اسکولوں کی عمارتیں ہی نہیں ہیں، اور یہ تناسب صوبہ تخار میں نصف سے بھی زیادہ ہے۔ قندھار کے 458 اسکولوں میں سے 274 کی کوئی عمارت ہی نہیں ہے۔ سرے پُل کے 388 اسکولوں میں سے صرف 97 اسکولوں میں چھت ہیں۔ امریکی ایجنسی برائے انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ (USAID) کے خصوصی انسپکٹر جنرل برائے تعمیر و بحالی افغانستان کے ایک خط کے مطابق، صوبہ ہرات میں تعمیر کیے گئے بہت سے اسکول بجلی اور صاف پانی جیسی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں، جبکہ سکول کی عمارتوں گنجائش ضرورت سے کم ہے، یہ سب تعلیم کی فراہمی میں رکاوٹ ہے۔

ان اسکولوں کی ٹوٹی ہوئی عمارتوں میں جہاں کلاس رومز میں ضروریات کی کمی ہے اور طالب علم گنجائش سے زیادہ ہیں، کچھ ہی گھنٹے تعلیم فراہم کی جاتی ہے کہ طالب علموں کی دوسری شفٹ آجاتی ہے۔

کچھ جگہوں میں(یہاں تک کہ دارالحکومت کابل میں بھی) طالب علم خیموں میں زمین پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔اساتذہ کم تعلیم یافتہ ہیں،اور بعض نے تو خود بھی ہائی سکول تک پاس نہیں کیا ہوتا ہے۔افغانستان میں اسکول کا دورانیہ محض 3 گھنٹے ہے۔اس کے علاوہ، درسی کتابوں میں مواد کا معیار بہت ہی خراب ہے، جبکہ چند اسکولوں میں بھی جدید سائنس لیب موجود نہیں ہیں۔ اساتذہ اکثر آلات وضروریات تعلیم سے محروم ہیں، تعداد میں کم ہیں،ان کی تنخواہیں بہت کم ہیں اور یہ اپنے نوکریوں سے ناخوش ہیں۔ افغانستان میں ایک استاد کی تنخواہ فی مہینہ 5000 افغانی (یعنی 100 امریکی ڈالر) ہے، جس کی وجہ سے اساتذہ نے گذشتہ سال جون میں تنخواہوں کے بڑھانے کے لئے مظاہرہ کیے تھے۔

ایک اور اہم نقطہ یہ ہے کہ افغانستان میں لڑکیوں اور خواتین کی تعلیم کے حالات بہت بُرے ہیں۔ افغانستان میں خواتین کی شرح خواندگی 14 فیصد ہے،جو کہ دنیا میں سب سے کم ہے۔ اقوام متحدہ کی تنظیم برائے تعلیم سائنس اور ثقافت (یونیسکو) کی ایک رپورٹ کے مطابق دیہی علاقوں میں 90 فیصد افغان خواتین غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ رجحان ملک کے بڑے اقتصادی مسائل کی عکاسی کرتا ہے جہاں غریب افغان خاندان اکثر اپنی نوجوان بیٹیوں کی چھوٹی عمر میں شادیاں اس لیے کر دیتے ہیں یا ان کی تعلیم چھوڑوا دیتے ہیں تاکہ انہیں ان کی تعلیم کے اخراجات نہ اُٹھانے پڑیں ، اور بہت سے مواقع پر تو لڑکیوں کی شادیاں اس لیے کردی جاتی ہیں کہ اپنی مالی مشکلات حل کی جاسکیں۔یہ گھرانے اتنے غریب ہوتے ہیں کہ اپنی بچیوں کی تعلیم مکمل کرنے کی ذمہ داریوں کا خرچ اُٹھانا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ سیکیورٹی کی کمی، علیحدہ صفائی کی سہولیات کی عدم فراہمی ، لڑکے اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ کلاس روموں کی کمی، اور خواتین اساتذہ کی شدید کمی بھی تعلیم کے لیے لڑکیوں کی داخلوں میں رکاوٹ کی وجہ ہیں۔ وزارت تعلیم کے مطابق تقریباً ایک تہائی طالبات ادھوری تعلیم کے ساتھ ہی اسکول چھوڑدیتی ہیں۔

افغانستان کے تعلیمی نظام کے یہ حالات ، عام سیاسی اور اقتصادی صورتِ حال کے متعلق ناامیدی ، لاقانونیت اور خونریزی کی وجہ سے اس جنگ زدہ ملک سے بہترین دماغوں کا انخلاء کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ایک سفارتکار کے مطابق، 2001 کے بعد، لاکھوں افغان مہاجر ملک سے باہر پاکستان اور ایران میں رہ رہے ہیں، انہوں نے بہتر زندگی، سلامتی اور روزگار کی امید پر ہجرت کی۔یونیسکو نے رپورٹ کیا کہ 2013 میں تقریباً 17000 افغان طلباء بیرون ملک تعلیم کے لیے مقیم رہے،جبکہ تقریباً 9033 (53 فیصد) ایران میں، 2330 (14 فیصد) بھارت میں، 1310 (8 فیصد) ترکی میں، 1226 (7 فیصد) سعودی عرب میں اور 428 (تین فیصد) امریکہ میں ہیں۔امریکی جریدے واشنگٹن پوسٹ کی 13 اگست 2016 کی ایک رپورٹ کے مطابق اگر افغان حکومت نوجوانوں کے لئے ملازمت کے مواقع پیدا کر بھی دے تب بھی یہ اس حقیقت کو تبدیل نہیں کرے گا کہ افغانستان میں اقتصادی حالات مستقبل قریب میں بہتر ہونے والے نہیں ہیں۔ عالمی بینک کا تخمینہ ہے کہ مجموعی اندرونی پیداوار کی شرح

2016 میں 1.9 فیصد تھی، جو کہ مسلسل تیسرے سال بھی 2 فی صد سے کم رہی۔ ان آفت زدہ حالات کی وجہ سے افغانستان کے کچھ ذہین ترین نوجوان ملک چھوڑ رہے ہیں۔اسی لیے صدر اشرف غنی نے کہا ہے کہ وہ ان ذہین دماغوں کو روکنے کو ترجیح دینا چاہتے ہیں۔

پچھلے سال، افغانستان کی نیشنل یونٹی حکومت نے روزگار کو فروغ دینے اور معیشت میں اعتماد بحال کرنے کے لئے "امن کے لئے ملازمت" کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا۔ تاہم، ملک میں فنڈز اور عدم استحکام کی کمی کی وجہ سے قیاس کیا جارہاہے کہ ان اقدامات کے اثرات محدود رہیں گے۔ اس طرح پہلے سے ہی پریشان حال نوجوان غیر یقینی مستقبل کا شکار ہیں۔

افغانستان میں نسبتاًبہتر تعلیم بہت مہنگی ہے اور کاروبار میں بدل گئی ہے۔ کچھ نجی اسکول اور یونیورسٹیاں ہیں جو تعلیم کے بہتر معیار کا وعدہ کرتیں ہیں۔بہت سے افغانوں کے لئے یہ نجی اسکول اور یونیورسٹیاں اکثر مہنگے ہوتے ہیں جس کا خرچ ان کی پہنچ سے باہر ہے۔ مثال کے طور پر، امریکن یونیورسٹی آف افغانستان اورسوئس یونیورسٹی (UMEF)عام طور پر اپنے ملکوں (امریکہ / سوئٹزرلینڈ) کی شرح سے ہی افغان طالب علموں سے فیس وصول کرتیں ہیں۔ افغانستان کی امریکن یونیورسٹی کی فیس تقریباً 18700افغانی (تقریباً 400 امریکی ڈالر) فی کریڈٹ ہیں۔اس کے علاوہ، بین الاقوامی تنظیموں ، جو بدعنوانی کو ختم کرنے کے لیے کا م کررہی ہیں، کے مطابق حالیہ برسوں میں افغانستان تین سب سے زیادہ بدعنوان ترین ملکوں میں سے ایک رہا ہے۔ افغان پولیس فورسز نے وزارت تعلیم کے 7 اہلکاروں کو 26 ملین افغانی غبن کرنے کے الزام میں گرفتار کیا۔

یہ اعداد و شمار افغانستان کے اندر تعلیم کے حقیقی افسوسناک بحران کی نمائندگی کرتے ہیں۔یہ تباہ کن صورتحال سیکولر مغربی طاقتوں کی وجہ سے ہے جو اپنے آپ کو افغان آبادی کے مددگار کے طور پر پیش کرتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ طاقتیں خطے میں صرف اپنے نو آبادیاتی لوٹ کھسوٹ کے مقاصد کے حصول کے لیے موجود ہیں۔یہ لوگ افغان نوجوانوں کو تعلیم کے بارے میں کنفیوژن کے گرداب میں ڈبو رہے ہیں اور انہیں جھوٹی امیدیں دلا رہے ہیں اور جھوٹے وعدے کر رہے ہیں جو افغانستان کی موجودہ تباہ کن صورتحال میں کبھی کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔بدعنوانی حکومتیں عوام سے یہ حقیقت چھپا رہی ہیں، اور دشمنوں کو مقبوضہ مسلم ممالک میں تعلیمی نظام کے معمار کے طور پر پیش کررہی ہیں۔نوجوانوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنے کا واحد ذریعہ خلافت کا تعلیمی نظام ہے،جس کے تحت تعلیم ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ ریاست خلافت تعلیم کے ذریعے مضبوط اسلامی شخصیات پروان چڑھائے گی اوراپنے تعلیمی نظام کی ہر اُس چیز سے حفاظت کرے گی جو ریاست کی اسلامی اساس یااس کے بچوں اور لوگوں کی اسلامی شناخت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

لہذا، اسلامی تعلیمی نظام کہ جس کی بحالی صرف خلافت کے تحت ہی ممکن ہے ،تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ افغانستان میں موجودہ تعلیمی نظام کی بدحالی ایک بار پھر یہ واضح کرتی ہے کہ اس امت کا حقیقی عروج نوآبادیاتی طاقتوں کے ذریعہ نہیں بلکہ صرف اسلام کے عظیم دین کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىَ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ)

" بھلاوہ شخص، جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اوراس کی رضاوخوشنودی پر رکھی، بہتر ہے یاوہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے والاہے۔ سووہ عمارت اس معمار کے ساتھ ہی آتشِ دوزخ میں گرگئی،اور اللہ ظالم لوگوں کوہدایت نہیں دیتا"(سورۃالتوبہ : 109)

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لئے آمنہ عابد کی جانب سے لکھا گیا۔

ختم شد

ریاستِ خلافت کے زیر سایہ غذائی تحفظ(Food Security)

تحریر: علی القاضی۔یمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ: غذائی تحفظ کی اصطلاح کا ماخذ

زندہ رہنے اور زندگی کی ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے لیے غذا کا استعمال انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ غذا ممالک کے درمیان کشمکش کے اسباب میں سے ایک ہے۔ اس کی وجہ سے تنازعات اور جنگیں چھڑیں۔ انسان اپنی بقا کے لیے روزانہ کی بنیاد پر غذا کی ایک مخصوص مقدار کا محتاج ہوتا ہے۔ جس کو یومیہ غذا میسر ہو، اور اس کی زندگی پُر امن ہو اور اس کے جسم تندرست و توانا ہو تو گویا وہ ساری دنیا اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس کا مالک ہے، جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے: ((من أصبح منكم آمنًا في سربه، معافى في جسده، عنده قوت يومه، فكأنما حيزت له الدنيا)) "جو کوئی اپنے گھر میں امن سے رہا ،اس حال میں کہ اس کا جسم صحیح سلامت ہو اور اس کے پاس یومیہ غذا موجود ہو، ایسے آدمی کے پاس گویا ساری دنیا اکٹھی ہو گئی" (ترمذی)۔

ایک ریاست صرف اسی صورت میں ہی غذائی تحفظ فراہم کرنے کی قابل ہوتی ہے جب وہ زرعی پیداوار کی اتنی مقدار کے حصول کو یقینی بنا سکے جو ریاست کی تمام رعایا کے لیے کافی یا کافی سے زیادہ ہو اور اس کا سہارا دیگر ممالک سے برآمد کی جانے والی غذاؤں پر نہ ہو، کیونکہ رعایا کو غذا کی فراہمی میں کسی ملک کی ناکامی اس کو دوسروں کا محتاج بنا کر رکھ دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری ریاستیں اس کے نظم و نسق اور نظامِ حکومت میں دخل دینے لگتی ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں جب مغربی مفکرین نے دیکھا کہ انسانوں کی تعداد اربوں کے حساب سے بڑھتی جارہی ہے، تو انہوں نے خبردار کرنا شروع کیا کہ عنقریب دنیا کی بڑھتی آبادی کو غذا کی فراہمی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ 1968 میں ایک امریکی بیالوجسٹ "پال ارلک" (Paul Erlich) نے ،اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "آبادی کا بم" (The Population bomb) میں لکھا: "پوری نسانیت کو کھلانے کی جنگ ختم ہوئی۔۔۔ اس (بیسویں) صدی کی ساتویں دہائی میں دنیا بھوک اور فاقہ کشی کے ہاتھوں لاکھوں انسانوں کی موت کے واقعات کا سامنا کرے گی"۔ اگرچہ اس کی یہ پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوئی، مگر دنیا پر سرمایہ دارانہ نظام کے تسلط کے زیر سایہ غذا کی عدم فراہمی کا مسئلہ بدستور قائم ہے۔ جنگوں، خشک سالی، زلزلوں، آتش فشاؤں کے پھٹنے اور وبائی بیماریوں جیسی قدرتی آفات میں غذا کی فراہمی مزید گھمبیر صورت اختیار کر لیتی ہے، بالخصوص ان ممالک میں جو تیسری دنیا کہلاتے ہیں، جن کے وسائل پر بڑی سرمایہ دار ریاستیں باہمی جنگ و جدال میں مصروف ہیں۔ "تیسری دنیا" کے یہ ممالک بے پناہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں، مگر یہ وسائل ان کے لیے ایک بوجھ ہیں، اس کا سبب وہاں کے ایجنٹ حکمران اور ان وسائل پر تسلط کے لیے جاری بڑی ریاستوں کی کشمکش ہے، **یہیں سے انسانوں پر مسلط سرمایہ دارانہ تہذیب کے سائے تلے، "غذائی سیکورٹی" کی اصطلاح چل نکلی۔**

غذائی سیکورٹی کا کیا مطلب ہے؟ اور اس حوالے سے اسلام کا نقطہ نظر کیا ہے؟

عام حالات میں بھی لوگوں کو خوراک نہ ملنے کی صورتحال کی سنگینی کسی پر مخفی نہیں ہے۔ آج کی صورتِ حال سے بری صورتِ حال کیا ہو گی۔ آج انسانوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والی سرمایہ دارانہ لالچی اور بھوکی تہذیب کے سائے تلے طاقتور کمزور کی غذا کو کھا جاتا ہے، جس کے نتیجے ایسے مسائل اور حالات پیدا ہوتے ہیں جو قحط سالی اور غربت کو جنم دیتے ہیں۔ اس تہذیب نے انسانیت کو ایسے گھمبیر اور لاینحل مسائل اور حالات سے دوچار کر دیا ہے کہ جس نے فاقوں ،غربت اور کسمپرسی کو فروغ دیا، مثلاً کہیں معاشی پابندیوں کا حصار لگا کر اور کہیں جنگیں کھڑی کر کے۔ کئی ممالک ایسے ہیں جو پانی اور غذا کی قلت کے باعث زوال کا شکار ہوئے اور کچھ ایسے ممالک بھی ہیں جنہوں نے اپنے وسائل اور دولت کو صرف روٹی کے حصول کے لیے دیگر ممالک کی قدموں میں ڈال دیا۔ یہ ایک خطرناک صورتحال ہے جبکہ انہی حالات میں مزید بڑے خطرات کا نقارہ بجایا جا رہا ہے۔ چنانچہ غذائی تحفظ (فوڈ سیکورٹی) کا مطلب ہے: کسی ریاست کا اپنے لوگوں کو ہر قسم کے عام حالات یا غیر معمولی حالات جیسا کہ جنگ، محاصرہ یا خشک سالی میں پانی اور غذا کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا۔

اسلام عالمی غذائی بحران کی پیشین گوئی کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں بیان فرمایا ہے کہ اس ذات عالی نے کرۂ ارضی کو وسائل سے بھر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **(وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ)** "اور اس نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کیے جو اُس کے اوپر اُبھرے ہوئے ہیں، اور اس میں برکت ڈال دی اور اُس میں توازن کے ساتھ اِس کی غذائیں پیدا کیں۔ سب کچھ چار دن میں، محتاجوں کے لیے یکساں طور پر" (حم السجدۃ: 10)۔ اس لیے غذا وافر مقدار میں موجود ہے، صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ پیداوار کی حوصلہ افزائی کی جائے اور منصفانہ تقسیم کو ممکن بنایا جائے۔ یہ بات بے بنیاد ہے کہ آبادی میں اضافہ، پانی کی قلت اور زرعی زمینوں کی کمی لوگوں کے بھوک سے مر جانے کا سبب ہے۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ کبھی کم آبادی والے علاقوں میں بھی قحط پڑ جاتا ہے، جبکہ زیادہ آبادی والے علاقے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ چین کی مثال ہمارے سامنے ہے، وہ کسی سنگین غذائی بحران سے دوچار نہیں، جبکہ اس کی آبادی ایک ارب نفوس سے زیادہ ہے، جبکہ دوسری طرف کم آبادی والے افریقی ممالک ساحلوں پر موجود ہونے کے باوجود وہاں کے باشندے دائمی فاقہ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

باوجود اس کے کہ دنیا میں رہنے والے انسانوں کی آبادی دوسری جنگ عظیم کے بعد دُگنی ہو چکی ہے، مگر اس دوران زراعت کے شعبے میں غذا پیدا کرنے کی صلاحیت میں تین گنا اضافہ ہوا۔ اسی وجہ سے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ زمین 47 ارب لوگوں کو اُس معیار کی غذا فراہم کر سکتی ہے جو امریکہ میں لوگوں کو میسر ہے جو کہ ایک اعلیٰ معیار ہے، جبکہ زمین جاپان کے لوگوں کی خوراک کے معیار کے مطابق 157 ارب انسانوں کو خوراک مہیا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر زرعی زمینوں کو درست طریقے سے استعمال کیا جائے تو دنیا کی حالیہ آبادی کی دس گنا تعداد کو زیادہ سے زیادہ کھپت کے مطابق خوراک دی جا سکتی ہے۔ واضح رہے کہ دنیا کی موجودہ آبادی 7 ارب سے کچھ زیادہ ہے۔ بعض دیگر ماہرین مذکورہ تمام سے بہت آگے کی بات کرتے ہیں۔ ان کے اندازے کے مطابق زمین ایک لاکھ بتیس ہزار ارب (132000) نفوس کو خوراک مہیا کر سکتی ہے جو ایک خیالی چیز ہی لگتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے بڑے سائنسی انقلابات اور چھلانگوں کے باوجود اس کائنات کی گود میں رہائش پذیر انسان نے اب تک اس کی جو طاقت معلوم کی اور اُس سے جو فائدہ اٹھایا ہے، وہ اس کے ایک فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر غذائی کمی کا مسئلہ پیش آجائے تو اسلام نے اس کا کیا حل دیا ہے؟

خوراک یا غذا کی فراہمی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک مسلمان حکمران نگہبان ہوتا ہے اور وہ اپنی رعایا کی دیکھ بھال کے بارے میں جوابدہ ہوتا ہے۔ دیکھ بھال کی اس ذمہ داری کا تقاضا ہے کہ لوگوں کو اشیائے خوردنی مہیا کی جائیں تاکہ بھوک کی وجہ سے اموات واقع نہ ہوں، اور مارکیٹ میں وافر مقدار میں غذائی اشیاء میسر ہوں، جس کے نتیجے میں قیمتوں میں استحکام کے ساتھ ساتھ اجارہ داروں کی بیخ کنی بھی ہو خصوصاً اس صورتحال میں جبکہ مٹھی بھر سرمایہ داروں نے عالمی اجارہ داری (Monopoly) قائم کی ہوئی ہے۔ دیکھ بھال کرنے کا یہ بھی تقاضا ہے کہ مسلمانوں کا امام زمانۂ جنگ، قحط اور بڑے حادثات کے لیے پہلے سے تیار اور چوکنا رہے کیونکہ اس قسم کے حالات میں زراعت میں کمی آجاتی ہے اور اشیائے خورد و نوش مہیا کرنے کی قوت متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ انسانی جان کی حفاظت فرض ہے، اس لیے خوراک کی فراہمی بھی فرض ہے، اس کی دلیل یہ شرعی ضابطہ ہے: **مالا یتم الواجب الا بہ فھو واجب "جس چیز کے بغیر ایک واجب امر پورا نہ ہو سکتا ہو تو وہ چیز بھی واجب ہو جاتی ہے"۔**

دین اسلام زراعت پر بھرپور توجہ دیتا ہے، جو بنیادی غذا کے حوالے سے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اور صنعت و تجارت اور انسانی محنت کے بشمول معیشت کا بھی اولین ذریعہ ہے، کیونکہ زراعت ہی کے ذریعے ملک کی تمام رعایا کو خوراک مہیا کی جا سکتی ہے۔ پس زراعت کی بنیاد زمین ہے، اور پیداوار اس کی تخلیقی طبیعت کا لازمی جز ہے، جیسے بال اور دانت اُگانا انسان کے پیدائشی مزاج کا حصہ ہے، زرعی زمین کے اندر جڑی بوٹیاں اُگنا زمین کی پیدائشی صفت ہے، خواہ کوئی انسان اس میں کاشت کاری کرے یا نہ کرے۔ مسلم ممالک کی سرزمینیں انواع و اقسام کے عمدہ ترین وسائل اور زرعی ذرائع سے مالا مال ہیں۔ یہ وسائل و ذرائع ان ممالک کو اس قابل بناتے ہیں کہ نہ صرف ان ممالک کے باشندے غذائی طور پر خود کفیل ہو سکیں،

بلکہ یہ صلاحیت بھی رکھتے ہیں کہ وہ ان غذائی ذرائع سے پوری دنیا پر چھا جائیں۔

اگر ہم عرب ممالک پر نظر ڈالیں گے جو عالم اسلام کا ایک اہم حصہ ہے تو خطۂ عرب کے ممالک میں 32.3 کروڑ لوگ آباد ہیں۔ اس کا رقبہ 1.4 کروڑ مربع کلو میٹر پر مشتمل ہے۔ آج کل یہ خطہ غذائی خود کفالت کے حصول کے لحاظ سے پریشان کن صورتِ حال سے دوچار ہے، یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کو بیرونی بڑی ریاستوں سے غذائی اشیاء (Foodstuff) درآمد کرنی پڑتی ہیں، اور 2006 تک ان ممالک میں غذائی تعطل (food gap) 21 ارب ڈالر تک پہنچ گیا تھا، جبکہ عرب آرگنائزیشن فار ایگریکلچرل ڈیویلپمنٹ کی رپورٹ کے مطابق اس بحران میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، یہ امر ان ممالک کو کفریہ ریاستوں کے زیر تسلط رکھے گا۔ اس قسم کے حالات سیاسی خودکشی کہلاتی ہے کہ طاقت اپنی ہو مگر اس میں مرضی دشمن کی چلے۔

عرب خطے میں قائم ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے خود کفیل نہ ہونے کے اصل وجہ وہاں ذرائع اور دولت کی کمی نہیں ہے کیونکہ ان ریاستوں کے پاس قابل کاشت زمینیں، پانی، انسانی وسائل اور مالی ذرائع بکثرت موجود ہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ ریاستیں ہر چھوٹی بڑی چیز کے لیے کفریہ ممالک پر انحصار کرتی ہیں، کیونکہ اسلامی ریاست موجود نہیں، اور مسلمانوں کا خلیفہ موجود نہیں جو ہماری دیکھ بھال کرے اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمیں تحفظ فراہم کرے، جو تمام کفریہ ریاستوں سے دستبرداری اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی وفاداری کا ببانگ دہل اعلان کرے۔

اللہ کے اذن سے جلد قائم ہونے والی خلافت کا خلیفہ ہنگامی بنیادوں پر اپنی رعایا کے تحفظ کے لیے فیصلہ کن اقدامات کرے گا۔ اس تحفظ میں غذائی تحفظ (فوڈ سیکورٹی) بھی شامل ہے تاکہ کافروں کو مسلمانوں پر ایسا کوئی اختیار حاصل نہ رہے جس سے وہ آنے والی اسلامی ریاست کے وسائل، پالیسیوں اور نظام مملکت میں اپنی مرضی چلا سکیں جیسا کہ موجودہ حالت میں ہو رہا ہے، درحقیقت یہ صورتِ حال مسلمانوں کے وجود اور ان کے تحفظ کے لیے سنگین خطرہ ہے۔

1- قابل کاشت زرعی زمینیں:

زرعی اراضی غذائی تحفظ کے اہم ترین ذرائع میں سے ایک ہے، جس کے سہارے غذائی خود کفالت کے حصول کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ اسلام کاشتکاری اور زرعی زمینوں کی دیکھ بھال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی زرعی پالیسی ایک اہم چیز پر قائم ہے، اور وہ ہے زرعی پیداوار میں اضافہ۔ اس کے لیے دو طریقے استعمال کیے جاتے تھے:

ا- زمین کی پیداوار بڑھانا- پیداوار میں اضافہ کیمیاوی مواد کے استعمال اور کسانوں میں جدید اسالیب کو رواج دے کر، معیاری بیج مہیا کر کے اور غریب کسانوں کو ضروری اخراجات مفت فراہم کر کے کیا جاسکتا ہے، تاکہ یہ کسان ضروری آلات، بیج اور کیمیاوی مواد خرید سکیں۔ اور وہ تمام سہولیات فراہم کی جائیں جو پیداوار میں اضافے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

ب- زرعی میدانوں میں توسیع - یہ مقصد بنجر زمینوں کو آباد کرنے اور ان پر باڑ لگا کر ان کی ملکیت حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((من احيا ارضا ميتة فهى له))** " جو کسی بنجر زمین کو آباد کرے تو وہ اسی کی ملکیت ہے" (بخاری، ابوداؤد، احمد، موطا)۔ ریاست ایسے افراد کو جن کے پاس کوئی زمین نہ ہو یا وہ تھوڑی سی زمین کے مالک ہوں اور کھیتی باڑی کر سکتے ہوں، زرعی قطعات دیتی ہے، اور جو اپنی زمین کو تین سال بغیر کاشت کے چھوڑے رکھے اس سے وہ زمین جبراً واپس لے لیتی ہے۔

اس کی ایک مثال: رسول اللہ ﷺ نے بلال المزنیؓ کو سمندر اور الصخر کے درمیانی زمینیں دی تھیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور سیرتِ خلفائے راشدین میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ لہٰذا ان دو طریقوں سے زرعی پیداوار میں اضافہ ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

چار چیزوں کا بڑھایا جانا ضروری ہے:

1۔ غذائی مواد میں اضافہ، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو کھلایا جاسکے، اور ان کو قحط کے خطرے سے محفوظ کیا جاسکے، نیز ہنگامی حالات (ایمرجنسی) کے لیے بطورِ ذخیرہ رکھا جاسکے۔

2۔ کپڑا بننے کے لیے لازمی خام مواد کی پیداوار میں اضافہ، جیسے کپاس، ریشم اور اُون۔ یہ وہ ضروری اشیاء ہیں جن کے بغیر چارۂ کار نہیں۔

3۔ ان مواد میں اضافہ جن کی بیرونی دنیا میں مارکیٹ ہو، خواہ غذائی مواد ہوں یا دیگر زرعی پیداواری اشیاء، مثلاً غلہ یا کپڑے کی مصنوعات۔

4۔ اہم اور ضروری مواد کی درآمد پر سے رکاوٹوں کو ہٹانا تاکہ ان میں اضافہ اور ان کی رسد کو آسان بنایا جاسکے۔ حضرت عمرؓ کا عمل یہی تھا جیسا کہ ابو عبید نے بیان کیا ہے: "عمر رضی اللہ عنہ نبطین والوں سے تیل اور گندم کا آدھا عشر لیتے تھے تاکہ مدینہ میں اس کی رسد کو بڑھایا جائے، مکمل عشر کی جگہ آدھا عشر لینے کا مقصد یہ تھا کہ تیل اور گندم مدینہ میں زیادہ لایا جائے اور کپڑے پر پورا عشر لیتے تھے"۔

الجزیرہ چینل نے 23 اپریل 2014 کو ایک رپورٹ میں کہا: عرب خطے میں قابل کاشت زمین کا رقبہ 197 ملین ہیکٹر تک ہے اور اس وقت صرف 80 ملین ہیکٹر کاشت کیا جاتا ہے جو مجموعی رقبے کا 40 فیصد ہے۔ اس میں موسمی فصلوں کی پیداوار 23 فیصد اور دائمی فصلوں کا حصہ 4.9 فیصد ہے۔ کھیتی باڑی کا کام کرنے والے افراد اس خطے کی مجموعی لیبر فورس کے 23 فیصد کی نمائندگی کرتے ہیں اور دیہات سے شہروں کی طرف نقل مکانی کے باعث یہ تعداد مسلسل کم ہوتی جارہی ہے۔ عرب سرزمین ساحلِ سمندر پر واقع ہے، یہ سمندر مچھلیوں سے مالا مال ہیں جس کی وجہ سے انہیں غذائی سیکیورٹی حاصل ہوتی ہے۔

زراعت کے لیے جس طرح زرعی زمینوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح کچھ اور ذرائع بھی ضروری ہوتے ہیں تاکہ زرعی عمل کو مکمل کیا سکے اور اس کی پیداوار کو بڑھایا جاسکے۔

2۔ پانی کے وسائل:

پانی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے بنیادی عناصر میں سے ایک عنصر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ** ﴾ " ہم نے ہر ذی روح کو پانی سے پیدا کیا ہے" (الانبیا:30)۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، **((الناس شركاء في ثلاث: الماء والكلأ والنار))** " لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: پانی، چراگاہیں اور آگ (توانائی)"۔ اس بنا پر غذائی تحفظ کے ساتھ پانی کا حتمی تعلق ہے، چنانچہ فوڈ سیکورٹی تبھی پائی جائے گی جب واٹر سیکورٹی میسر ہوگی، کیونکہ زراعت صرف پانی کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی ریاستوں کے درمیان جنگیں بھڑکنے اور تنازعات پھوٹنے کے اسباب میں سے ایک ہے۔ الحمدللہ اسلامی سرزمین پانی کے بڑے ذخائر سے گھری ہوئی اور انتہائی اہم تزویراتی (اسٹریٹجک) آبی گزرگاہوں پر واقع ہے اور ان پانیوں کی کوئی حد نہیں۔ ہماری سرزمینوں میں دریائے نیل اور دجلہ و فرات جیسے دنیا کے مشہور دریا بہتے ہیں۔ صرف یہی دریا 150 ارب کیوبک میٹر سے زائد پانی فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ زیر زمین پانیوں کے ذخائر بھی پائے جاتے ہیں جن کا اندازہ 7734 ارب کیوبک میٹر لگایا گیا ہے۔

مسلمانوں کے پاس پانی کے متعدد ذرائع موجود ہیں جو کرۂ ارض کے تمام باشندوں کے لیے کافی ہیں۔ پانی کے یہ وسائل قابل کاشت زمینوں کی کاشتکاری اور بنجر زمینوں کو قابل زراعت بنانے اور انہیں آباد کرنے کو ممکن بناتے ہیں۔

ریاست کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ رعایا کو پانی کے بہتر استعمال سے روشناس کرانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرے، اس حوالے سے ان کی رہنمائی کرے اور پانی ضائع کرنے اور بے جا خرچ کرنے سے انہیں روکے۔ ریاست ڈیم بنانے اور اس کے لیے مصنوعی فوارے (Artesian well) کھدوانے پر کام کرے، جو کہ ایک ضروری امر ہے۔

3۔ انسانی ذرائع:

زمینوں کی بحالی و اصلاح، کاشتکاری اور ان کی آبادی کے لیے صرف

پانی ہی ضروری نہیں، بلکہ اس میں انسانی محنت و کوشش کی بھی حاجت ہوتی ہے، یعنی کاشتکاروں اور کسانوں کو یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے پاس یہ ذرائع بھی بکثرت موجود ہیں۔ عرب خطے میں 48 ملین افراد زراعت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ اس طرح اگر کام کاج کے قابل غریب لوگوں کو کام پر لگایا جائے تو بے روزگاری کا خاتمہ ممکن ہے، ریاست بنجر زمینیں ان غریبوں میں تقسیم کرے اور یہ لوگ ان کو آباد کریں گے اور اس میں کاشتکاری کریں گے۔

4۔مالی ذرائع:

بلاشبہ زمینوں کی کاشت، بحالی اور آبادکاری کے لیے کثیر مال کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ بھی ہمارے پاس وافر مقدار میں موجود ہے۔ ان میں سر فہرست تیل کی دولت ہے۔ مثلاً الوعی میگزین کے شمارہ نمبر 233 میں ایک مضمون میں بیان کیا گیا: "دستاویزی فلم " فارن ہائٹ 11 " میں دکھایا گیا ہے کہ امریکہ نے صرف سعودی تیل سے جو فائدہ اُٹھایا ہے اس کی قیمت 86 ٹریلین ڈالر ہے، جس کا مطلب ہے کہ اگر اس دولت کو دنیا کے تمام مسلمانوں پر تقسیم کیا جائے تو ان کے ہر بوڑھے بچے اور مرد و عورت کے حصے میں تقریباً 66 ہزار ڈالر آئیں گے، جبکہ امریکہ اُمت کو محروم رکھ کر خود ان اموال سے فائدہ اُٹھاتا ہے"۔ گیس اور معدنیات کے خزانے اس کے علاوہ ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مسلم ممالک میں سے گزرنے والے موجود اسٹریٹجک راستوں سے زبردست فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

اس کے علاوہ زرعی زمینوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے جدید سائنسی وسائل اور اسالیب کو بروئے کار لایا جائے، اور زرعی پیداوار میں بنیادی اور ضروری مواد کی پیداوار پر اصل توجہ دی جائے، جیسے گندم، نباتاتی تیل، گوشت، دودھ اور اس سے بنی ہوئی اشیاء، مچھلی اور انڈے وغیرہ۔ ان غذاؤں کو کئی سالوں تک ذخیرہ جاسکتا ہے، گندم کو خوشوں میں چھوڑ کر یا دانہ کی شکل میں، کھجور، انجیر اور انگور کو خشک کر کے اور تیل، خشک گوشت یا ٹین کے ڈبوں میں پیک کر کے، اسی طرح خشک دودھ اور انڈوں کا پاؤڈر وغیرہ۔ اور بالخصوص جن غذاؤں کا ذکر کتاب وسنت میں آیا ہے، ان کو ترجیحی بنیادوں پر محفوظ کیا جائے۔

یہ بحث غذا کو ذخیرہ کر کے رکھنے میں ریاست کے کردار کے حوالے سے تھی۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو ان کو طویل زمانہ تک ذخیرہ کی جانے والی غذائی مواد گندم، تیل یا ڈرائی فروٹ اور ملک پاوڈر گھروں میں محفوظ کر کے رکھنے کے حوالے سے ترغیب و تحریص دلائی جائے گی۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کی ہے، آپؐ فرماتی ہیں: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **((لا يجوع أهل بيت عندهم التمر))** "جن گھر والوں کے پاس کھجور ہو وہ بھوکے نہیں ہوں گے "اور آپ ﷺ فرمایا: **((يا عائشة، بيت لا تمر فيه جياع أهله، أو جاع أهله))** " اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو، وہ بھوکے ہوں گے "۔ اور یہ ثابت ہے کہ مسلمان رسول ﷺ کے زمانہ میں کھجور جمع کر کے رکھ لیا کرتے تھے۔ العریہ کی فروخت کی اباحت اور جواز اس کی دلیل ہے (اس معاملے میں کھجور کے درخت پر موجود پھل کو اتاری ہوئی کھجور کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے)، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **((كنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث، لِيَتَّسِعَ ذو الطَّوْلِ على من لا طَوْلَ له، فكلوا ما بدا لكم، وأطعموا، وادخروا))** " میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ تک قربانی کا گوشت جمع رکھنے سے منع کیا تھا تاکہ صاحبِ استطاعت ، نادار اور فقیر لوگوں پر کھل کر صدقہ کریں، اب جیسے چاہو خود بھی کھاؤ اور اکٹھا بھی کرو "اور آپ ﷺ نے

فرمایا:((رحم الله امرأ اكتسب طيبًا، وأنفق قصدًا، وقدم فضلًا ليوم فقره وحاجته)) "اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو پاکیزہ مال کمائے اور اس میں سے میانہ روی کے ساتھ خرچ کرے، اور حاجت وضرورت مندی کے دنوں کے لیے بچت کرکے رکھ لے"۔

غذائی مواد ذخیرہ کرنے کے چند اصول و ضوابط ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے:

اُ) غذا کو ذخیرہ کرنے سے اجارہ داری جنم نہ لے کہ سامان کو بازار سے غائب کردیا جائے، جس کے نتیجے میں مہنگائی پیدا ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **كل محتكر خاطِئ**" ہر ذخیرہ اندوز گناہگار ہے"۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: **من دخل في شيء من أسعار المسلمين ليغليه عليهم، فإن حقًا على الله أن يقعده بعُظم من النار يوم القيامة** " جو کوئی مسلمانوں کے لیے چیزیں مہنگی کردینے کے مقصد سے قیمتوں میں مداخلت کرے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تئیں یہ لازم کرلیا ہے کہ اس کو قیامت کے دن آگ کے بڑے حصے پر بٹھائے گا"۔

ب) جو کچھ ذخیرہ رکھا جائے، عام آدمی کو اس کی ضرورت نہ ہو، چنانچہ لوگ بھوکے ہوں، تو کھانے کے سامان کو ذخیرہ نہیں کرنے دیا جائے گا، لہذا ذخیرہ اندوزی کا عمل فاضل پیداوار میں سے کیا جائے۔ خیثمہؒ روایت کرتے ہیں: ہم عبد اللہ بن عمروؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ انکے پاس ان کا قہرمان (خزانچی) آیا، آپؓ نے قہرمان سے کہا: تم نے غلاموں کو کھانا دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ عبد اللہ بن عمرو نے کہا، جاؤ ان کو کھانا دیدو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، **كفى بالمرء إثمًا أن يحبس عمن يملك قوته** "آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ کسی ایسے انسان سے کھانا روکے جس کے کھانے کا وہ ذمہ دار ہو"۔

مزید یہ کہ بنیادی طور پر مسلمان جب کھانا کھائے تو کم کھائے، کیونکہ مسلمان جینے کے لیے کھاتا ہے نہ کہ کھانے کے لیے جیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((الكافر يأكل في سبعة أمعاء، والمسلم يأكل في معي واحد))**" کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے اور مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے" (مسلم)۔ اس حدیث کا مطلب مسلمانوں کو کم کھانے کی ترغیب دینا ہے۔ زیادہ کھانا کفار کے اوصاف میں سے ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کہا ہے: **(وَٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَتَمَتَّعُونَ وَيَأۡكُلُونَ كَمَا تَأۡكُلُ ٱلۡأَنۡعَٰمُ)**" اور جنھوں نے کفر اپنالیا ہے، وہ یہاں تو مزے اُڑا رہے ہیں اور اس طرح کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں" (محمد 47:12)۔ اور ابوہریرہؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، **((طعام الواحد يكفي الاثنين، وطعام الاثنين يكفي الأربعة, وطعام الأربعة يكفي الثمانية))**" ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے اور دو کا کھانا چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ لوگوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے" (متفق علیہ)۔

اسی طرح مقدار اور معیار کے حوالے سے کھانے کی منصفانہ تقسیم کے دلائل:

1۔ وہ احکام جو امیروں کے درمیان دولت کی گردش کو منع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿**كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةَۢ بَيۡنَ ٱلۡأَغۡنِيَآءِ مِنكُمۡۚ**﴾" تاکہ (مال) تم میں سے صرف دولتمندوں کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے" (الحشر 59:7)۔

2۔ مسلمانوں پر ضرورت مندوں کو کھانا کھلانے کی فرضیت: آنحضرت ﷺ کے اس قول مبارک کی رو سے کہ **((ما آمن بي من بات شبعان وجاره جائع إلى جنبه، وهو يعلم به))** " مجھ پر اس شخص کا ایمان نہیں جو خود تو سیر ہو کر رات گزارے جبکہ اس کے ساتھ والا پڑوسی بھوکا سوئے جبکہ اسے اس کی حالت کا علم ہو"۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا، **((" أيما أهل عرصة**

أصبح فيهم امرؤ جائع فقد برئت منهم ذمة الله))" کسی بستی والوں میں سے کوئی شخص بھوکا سو جائے تو اللہ ان بستی والوں سے بری الذمہ ہے"۔

جہاں تک اسلامی علاقوں پر قائم ضرر رساں ریاستوں کا تعلق ہے، جو آج کے دور میں مسلمانوں کے لیے ایک آزمائش ہیں، ان کے نزدیک غذا کی فراہمی کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ ان کے ہاں خود انسان کی کوئی قیمت نہیں۔ مثلاً سوڈان کے باشندے بھوک میں مبتلا ہیں، جبکہ جتنا دودھ زمین پر گرا کر ضائع کر دیا جاتا ہے اس کا اندازہ 700 ملین ڈالر سالانہ لگایا گیا ہے (2018/6/16 کی الجزیرہ چینل کی رپورٹ)۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا ملک جہاں اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ برائے خوراک وزراعت کی سال 1998 کی رپورٹ کے مطابق 35 ملین گائے موجود ہوں، اور جہاں 126 ملین حیوانی وسائل موجود ہوں، مگر ان وسائل کا نہ تو سوڈان والوں کی خوراک پر کوئی اثر دکھائی دیتا ہے، نہ ہی گوشت، دودھ یا دودھ کے مصنوعات برآمد کرنے میں ان وسائل کا کوئی کردار نظر آتا ہے۔

44 سال سے زائد عرصے یعنی 1974 سے قائم 'تنظیم برائے خوراک وزراعت 'FAO' (اقوامِ متحدہ کا ذیلی ادارہ برائے خوراک وزراعت، جسے 1945 میں کینیڈا میں قائم کیا گیا اور اس کا ہیڈ کوارٹر اٹلی میں ہے) نے سوڈان، کینیڈا اور آسٹریلیا کو عالمی فوڈ باسکٹ کی حیثیت سے نامزد کیا تھا، کیونکہ سوڈان کے پاس دنیا کی 200 ملین ایکڑ زرخیز اراضی، نہروں، بارشوں اور زیرِ زمین پانی کی کثیر دولت موجود ہے۔ مگر بدترین سیاست اور نظامِ حکومت کی وجہ سے سوڈان کی غذائی درآمدات جو 1990 میں 72 ملین ڈالر تھی بڑھ کر اب ایک ارب ڈالر کی سطح تک پہنچ گئیں ہیں۔ کینیڈا اور آسٹریلیا سب سے زیادہ گندم برآمد کرنے والے ممالک میں سے ہیں، مگر سوڈان سب سے زیادہ گندم درآمد کرنے والے ممالک میں سے ہے اور 2.2 ملین ٹن سالانہ گندم درآمد کرتا ہے۔

آخری بات، سب جانتے ہیں کہ جس کے پاس غذا نہیں، اسے استحکام حاصل نہیں ہوتا۔ ہم نے باقی مسلم ممالک کو چھوڑ کر صرف عرب خطے میں پائے جانے والے وسائل اور دولت کو سامنے رکھا، جس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مستقبل قریب میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست نہ صرف اس قابل ہو گی کہ وہ اپنی رعایا کو مکمل غذائی تحفظ فراہم کر سکے، بلکہ وہ بین الاقوامی سطح پر ایک بااثر عالمی زرعی ریاست بن سکے گی۔

البتہ یہ نکتہ اہم ہے کہ زرعی دولت، جس کے بل بوتے پر ہی غذائی سیکورٹی حاصل کی جاتی ہے، صنعتی دولت سے حتمی تعلق رکھتی ہے، جس کی اہمیت زرعی دولت سے کم نہیں، بلکہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر اقوام ترقی اور مقابلہ کے میدان میں انحصار کرتی ہیں۔ پس اسلام کی صنعتی پالیسی ایک ہی طریقہ پر استوار ہے، اور وہ ہے عسکری و تمدنی آلات، مشنری اور ان کے تمام تر لوازمات اور سپیئر پارٹس کی تیاری۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ پھر کفریہ ریاستوں کے ہاتھوں میں ریاستِ خلافت کی پالیسیوں اور امورِ حکمرانی میں اپنی مرضی چلانے کے مواقع نہیں رہیں گے۔ اسلامی ریاست کے سائے تلے اس زرعی اور صنعتی پالیسی پر گامزن ہو کر ہم غذائی و صنعتی سیکورٹی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وہ پالیسی ہے جو ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم استعمار اور استعماری ریاستوں کو اپنے امور میں مداخلت اور مرضی چلانے سے روک سکیں۔ نتیجتاً شریعت کے احکامات نافذ کرنے کے بعد ریاست اپنی دوسری ذمہ داری پر توجہ مرکوز کر سکے گی، یعنی دنیا تک اسلام کی دعوت پہنچانے پر، جس کے لیے وہ اپنے آپ کو اقتصادی و عسکری طور پر تیار کرے گی، یوں اس کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ مسلسل جہاد کی حالت میں رہ سکے۔

پس مسئلے کا حل اسلام کے نفاذ اور کار زارِ حیات میں اسلام کو واپس لوٹانے میں پوشیدہ ہے۔ مسئلے کا حل ایک خلیفہ کو مقرر کرنے میں ہے جو شریعتِ الٰہی کے ذریعے ہم پر حکومت و سیاست کی باگ ڈور سنبھالے گا اور زمینوں سے متعلق اسلامی احکامات کو نافذ کرے گا، اور کثیر پیداوار کو امت کے مفاد میں بہترین انداز میں خرچ کرے گا، اور امت کی زرعی، حیوانی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کر کے امت کو اقوام کی دست نگری سے نجات دلائے گا، بلکہ دیگر اقوام اس کی دستِ نگر ہوں گی۔ اور خلافت کے قیام اور تسلسل سے ان شاءاللہ "فوڈ سیکورٹی" کی اصطلاح دم توڑ جائے گی۔ خلافت کی بقاء اور دوام سے پوری دنیا میں بھلائی رائج ہو گی، اے اللہ! اپنی مدد و نصرت سے ہمیں جلدی سرفراز فرما۔

ختم شد

پاکستان کا آبی مسئلہ: اصل حقیقت اور حل

تحریر: عمر شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسلِ انسانی کی بقاء اور نشوونما جن چیزوں پر منحصر ہے اُن میں پانی سب سے اہم ضرورت ہے۔ کسی بھی علاقے میں پانی کی کمی یا اِس کا نہ ہونا انسانی زندگی کو شدید متاثر کرتا ہے یا پھر اِس کو مکمل طور پر ختم کر دیتا ہے۔ پاکستان میں پانی کی کمی کا شور پچھلے تقریباً 30-25 سال سے سُنائی دے رہا ہے اور کچھ بین الاقوامی تحقیقی اداروں کے مطابق تو پاکستان 2025 تک پانی کی شدید قلت کے شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا اور اِسکی بڑھتی ہوئی آبادی اور گھٹتی ہوئی زراعت کے لیے پانی کا حصول مزید مشکل صورتِ حال سے دوچار ہو جائے گا۔ پاکستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آنے والی تمام سِول اور فوجی حکومتیں وسائل کے ہوتے ہوئے اِس اہم مسئلہ سے بھی اُسی طرح پہلوتہی کرتی رہیں جسطرح مسلم امت کے باقی اہم مسائل سے پوری مسلم دنیا کی مقامی حکومتیں کرتی چلی آرہی ہیں۔ پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں نے کبھی تو اِس مسئلہ کی جڑ بھارتی آبی جارحیت کو قرار دیا۔ کبھی اِس کا الزام مختلف صوبائی رہنماؤں کے ذاتی اور سیاسی مفادات پر ڈال دیا اور کبھی تو عوام کی جانب سے پانی کے غیر محتاط اور بے جا استعمال کے سر تھونپ دیا اور آج بد قسمتی سے اِس مسئلہ کی شدّت اِس حد تک دکھائی گئی کہ ملک کی عدلیہ کے سر براہ یعنی چیف جسٹس کو اِس مسئلہ کے حل کے لیے ڈیم بنانے کی مہم کا آغاز کرنا پڑا اور اِس مہم کو کامیاب بنانے کے لیے اُنہیں اپنا وقت اِس صورتِ حال میں دینا پڑا کہ جب اُنکے اپنے ادارے یعنی پاکستانی عدالتی نظام میں لاکھوں مقدمات کئی سالوں سے زیر التواء ہیں اور وہ خود انگریز سامراج کے چھوڑے ہوئے عدالتی نظام میں اصلاحات لانے کی ناکامی کا اعتراف کر چکے ہیں۔

کیا واقعی پاکستان پانی کی کمی کا شکار ہے؟ کیا واقعی بھارتی آبی جارحیت اِس مسئلہ کی سب سے بڑی وجہ ہے؟ اِس مسئلہ کی شدّت کو بڑھانے اور لوگوں کے آبی مسائل میں اضافے میں ہماری سرمایہ دارانہ حکومتوں کی اپنی نا اہلی اور سُستی کتنی ہے؟ آج کا یہ مضمون اِن سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرے گا۔ اِس مضمون میں اِس بات پر بھی بحث کی جائے گی کہ ڈیموں کی تعمیر سمیت جدید ٹیکنالوجی کے وہ کون سے وسائل ہیں جو خصوصی طور پر زراعت کے میدان میں پانی کی کمی کا مسئلہ حل کرتے ہیں۔ اور انشاء اللہ آنے والی ریاست خلافت کس طرح اِسلام کی روشنی میں جدید ٹیکنالوجی سمیت تمام وسائل بروئے کار لا کر باقی مسائل کی طرح اِس مسئلہ کو بھی حل کرے گی۔

جہاں تک اِس مسئلہ میں بھارتی کردار کا تعلق ہے، تو قرآنِ پاک کی تعلیمات ہمیں واضح طور پر آگاہ کرتی ہیں کہ مسلمان اِسلام دشمنی میں یہودیوں اور مشرکین کو بد ترین پائیں گے اور یہ ہمارے لیے کوئی زیادہ حیرانی کی بات نہیں ہے کہ ہمارے مشرک ہمسائے نے جب بھی اور جہاں بھی موقع ملا پاکستان کی مسلم عوام کو پریشانی اور مشکل سے دوچار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ پاکستان کے آبی مسئلہ میں بھارتی کردار جاننے کے لیے ہمیں 1947 میں تقسیمِ برصغیر کو مختصراً دیکھنا ہو گا۔ تقسیمِ ہند کے وقت ہندو اور مسلم آبادی کے لحاظ سے پنجاب کا مشرقی حصّہ بھارت جبکہ مغربی حصّہ پاکستان کے حصّے میں آیا۔ بھارتی پنجاب کی دو تحصیلیں فیروز پور اور زِرا، جو کہ پاکستانی پنجاب سے ملحقہ ہیں ریڈ کلِف ایوارڈ جو کہ تقسیم شدہ علاقوں کو واضح کرتا تھا، کے مطابق مسلم آبادی کی اکثریت ہونے کی وجہ سے پاکستان کے حصّے میں آئیں۔ اِس ریڈ کلِف ایوارڈ کا اعلان 13 اگست 1947 کو ہونا تھا مگر اِسے جان بوجھ کر چند دنوں کے لیے روک دیا گیا اور 17 اگست کو اِس کا اعلان کیا گیا۔ اِن چار دنوں میں ریڈ کلِف ایوارڈ میں کچھ ایسی تبدیلیاں کی گئیں۔ جن کا نقصان براہِ راست نوزائیدہ ریاست پاکستان کو ہوا۔ اِن تبدیلیوں میں سے ایک یہ تھی کہ مسلم اکثریت والی یہ دونوں تحصیلیں یعنی فیروز پور اور زِرا بھارت کو دے دی گئیں۔ اگر یہ تحصیلیں پاکستان کے پاس آجاتیں تو دریائے ستلج کے کنارے سے بھی آگے تک کا حصّہ پاکستان کے کنٹرول میں آجاتا اور نہ صرف یہ کہ پاکستانی علاقوں کو سیراب کرنے والے فیروز پور تحصیل میں موجود فیروز پور بیراج اور دیپالپور نہر کے ہیڈ ورکس پاکستان کو مل جاتے بلکہ گنگا کینال جو بھارتی راجھستان کے کئی علاقوں کو سیراب کرتی ہے کا کنٹرول بھی پاکستان کے پاس ہوتا۔ جبکہ اِس صورت میں 1960 میں طے پانے والا سندھ طاس معاہدہ (Indus Water Treaty) جس میں پاکستان کے آبی حقوق کو بُری طرح پامال کیا گیا اُسکی شکل و ہیئت اور بنیادی ڈھانچہ بھی مکمل طور پر تبدیل ہوتا اور نہ ہی پاکستان کو تین مشرقی دریاؤں یعنی ستلج، بیاس اور راوی کے پانی سے مکمل طور پر دستبردار کیا جاتا لیکن پاکستان کی اُس وقت کی سیاسی قیادت نے نہ تو اِن تحصیلوں کو زبردستی بھارت کو دینے پر کوئی خاطرِ خواہ احتجاج کیا اور نہ ہی کوئی ٹھوس اقدامات اٹھائے بلکہ "جو مل رہا ہے اُسے غنیمت سمجھو" کے تصور کے تحت اِسکو مِن و عن قبول کر لیا۔ اُس وقت

کے رہنماؤں کی سیاسی نا بالیدگی نے پاکستان کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔ مگر کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی۔

31 مارچ 1948 کو بھارت نے پاکستان آنے والی دو اہم نہریں جو اَب سنٹرل باری دو آب نہریں کہلاتی ہیں کو بند کر دیا۔ اِن کی ایک شاخ لاہور کے درمیان سے گزرتی تھی جبکہ دوسری مرکزی شاخ فیروز پور روڈ پر للیانی کے مقام کو کراس کرتی تھی اور پورے لاہور ڈویژن کو سیراب کرتی تھی۔ اِس کے بعد 15 اپریل 1948 کو یعنی صرف 15 دنوں بعد ہی فیروز پور تحصیل جو کہ اب بھارت کا حصّہ تھی میں موجود فیروز پور ہیڈ ورکس سے نکلنے والی دیپالپور کینال کو بھی بند کر دیا گیا۔ یہ دیپالپور کینال پاکستانی پنجاب کے وسیع علاقے کو سیراب کرتی تھی اِس نہر کے اچانک بند ہو جانے سے ایک طرف تو وہ لاکھوں مہاجرین شدید متاثر ہوئے جنہیں عارضی طور پر حکومتِ پاکستان نے ہزاروں ایکڑ زرعی زمین کے اِرد گرد بسایا تھا اِن ہزاروں ایکڑ زمین پر کھڑی گندم کی فصل تباہ ہو گئی بلکہ چاول، کپاس اور گنے کی فصل بھی پانی نہ ملنے سے نہ بوئی جا سکیں۔ اِن تین اہم نہروں کے اِسطرح بند کر دیے جانے پر پاکستان کی سیاسی قیادت کو اپنی سیاسی غلطی کا پہلی بار احساس ہوا مگر پانی سر سے گزر چکا تھا۔

اپنے حق کو بزور شمشیر لینے کی بجائے ایک بار پھر وہی گھسا پٹا مذاکرات کا راستہ اپنایا گیا اور پاکستان کے اُس وقت کے وزیر خزانہ غلام محمد اور دو وزراء ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات پر مشتمل وفد کو بھارت بھیجا گیا جہاں پر اِن نہروں کو کھلوانے کے لیے مذاکرات شروع کیے گئے اور 4 مئی 1948 کو ایک ایسے معاہدہ پر دستخط کیے گئے جِسکو اِس مسئلہ کا علاج سمجھا گیا مگر یہ علاج بیماری سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوا اِس معاہدے کے تحت نہریں کھلوانے کے عوض اِس سارے پانی پر بھارت کے حق کو تسلیم کر لیا گیا اور اِس بات پر آمادگی ظاہر کر دی گئی کہ پاکستان اپنے علاقوں کو سیراب کرنے کے لیے متبادل ذرائع اور نہروں کی تعمیر کرے گا جبکہ اُس وقت تک موجودہ تین نہروں میں پانی جاری کرنے اور اِسے پاکستانی علاقوں تک پہنچانے کے بدلے اس کے اخراجات بھی بھارت کو ادا کرے گا اِس طرح وہ پانی جس سے پاکستانی علاقے سیراب ہوتے تھے اور لاکھوں ٹن اناج مہیا کرتے تھے اُسکا مکمل حق پلیٹ میں رکھ کر بھارت کو دے دیا گیا۔

اِس وفد کی واپسی پر بجائے اِسکے کہ پوری قوم کو حقیقت سے آگاہ کیا جاتا اِس پر پردہ ڈالا گیا اور اپنی نا اہلی چھپاتے ہوئے ایک طرح سے آبی ایمرجنسی کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی بنیادوں پر موجودہ BRB نہر کی کھدائی اور تعمیر کا اعلان کیا گیا تاکہ اِسکے ذریعے دریائے چناب کا پانی پاکستانی پنجاب کے اُن وسیع علاقوں کی زرعی زمین تک پہنچایا جائے جو اِس سے پہلے اُن تین نہروں سے سیراب ہوتی تھی جسکا کنٹرول اب بھارت کے پاس تھا۔ اِس BRB نہر کی تعمیر اور کُھدائی کو ایک اہم قومی فریضہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ لوگوں کے جذبہ حُب الوطنی کو بڑھانے کے لیے ریڈیو پاکستان، اخبارات اور سیاسی رہنماؤں کی تقاریر کے ذریعے اِس نہر کی اہمیت اور مسلمانوں سے ہندو ریاست کی دشمنی کو جواز بنا کر پیش کیا گیا، اِس نہر کی کُھدائی کے لیے طلباء یہاں تک کہ طالبات کو بھی بلا لیا گیا (آج بھاشا ڈیم کی تعمیر کے لیے بھی پاکستانیوں کے مال کو ریاستی وسائل کا حصّہ بنانے کے لیے اِسی جذبہ حب الوطنی کا سہارا لیا جا رہا ہے اور اُسی طرح آبی ایمرجنسی کا اعلان کیا جا چکا ہے) لیکن اِس BRB نہر کی تعمیر بھی پانی کی اُس کمی کو پورا نہ کر سکی جو اُن تین نہروں سے آتا تھا جن کا کنٹرول بھارت کے پاس تھا۔

پانی کی کم ہوتی ہوئی مقدار اور اِسکے باوجود بھارت سے پانی پاکستان کو دینے اور پہنچانے کی قیمت ادا کرنے کی غلطی کا احساس جلد ہی پاکستان کو ہو گیا اور پاکستان نے اِس معاہدہ پر 1950 میں مزید عملدرآمد کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف پانی کی کمی کا شکار ہونے کی وجہ سے ہزاروں ایکڑ اراضی اور لاکھوں مہاجرین بھی مشکلات کا شکار تھے جبکہ پاکستان اپنے رہنماؤں کی سیاسی غلطیوں جن میں بھارت سے بھارت کی شرائط پر مذاکرات بھی شامل تھے کی سزا بھگت رہا تھا یہی وہ وقت تھا جب عالمی طاقتوں نے اِس معاملے میں کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ امریکی ریاست Tenessee کے ایک آبی ادارے Tenessee Valley Authority (TVA) کے سابق چیئر مین David Lilienthal نے 1951 میں پاکستان اور بھارت کے آبی تنازعہ پر ہنگامی دورہ کیا جو Indus Water Treaty کی بنیاد بنا۔ David Lilienthal نے دونوں ممالک میں پانی کے مسئلے کا جائزہ لینے کے بعد 1951 میں ہی Colliers Magazine میں ایک مضمون لکھا۔ "Another Korea in the Making"، اِس مضمون میں اِس نے پاکستان میں پانی کی بگڑتی صورتحال پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ اُس نے اس مضمون میں لکھا کہ "بھارت کی جانب سے پانی کی بندش سے پاکستان ایک زبردست تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے جبکہ پانی کے مسئلہ پر دونوں ممالک کے درمیان کوئی معاہدہ کشمیر میں مزید جنگ کے خطرے کو ٹال سکتا ہے اور خطّے میں ترقی لا سکتا ہے۔" پھر اِس نے اِس معاہدہ اور تصفیہ کے لیے World Bank کا نام تجویز کیا جو کہ اپنی سربراہی میں پاکستان اور بھارت دونوں کے ماہرین کو ساتھ ملا کر کسی حل تک پہنچے۔

اِسکے ورلڈ بینک کے صدر Eugene Black نے اِس معاملے پر پیش رفت شروع کی اور دونوں ممالک کی حکومتوں سے رابطے کیے۔ Indus Water Treaty کے نام پر دس سال مذاکرات چلتے رہے۔ پاکستان کو کئی مرتبہ محسوس ہوا کہ اِس معاہدے میں ایسی کئی دفعات ہیں جن میں پاکستان کی نسبت بھارت کو زیادہ فائدہ پہنچایا جارہاہے کئی مرتبہ یہ مذاکرات تعطّل کا شکار ہوئے کیونکہ پاکستان کی طرف سے اُسکے کئی خدشات کا تدارک نہیں کیا گیا تھا مگر آخر کار کچھ تبدیلیوں اور ترامیم کے بعد اِس معاہدہ پر اتفاق کر لیا گیا اور صدر ایوب خان اور بھارتی وزیر اعظم نہرو نے کراچی میں ورلڈ بینک کی سر براہی میں اِس پر دستخط کر دیے۔ اِس معاہدے کو تفصیل سے دیکھنے کے بعد کوئی بھی ذی شعور اِس میں پاکستانی حکومت اور اداروں کی سیاسی غیر پختگی اور نااہلی کا ادراک کر سکتا ہے۔ 1948 میں ہندوستان صرف اُن تین نہروں پر اپنا حق جتا رہا تھا حالانکہ اِن نہروں کا صرف 20٪ پانی بھارت اور 80٪ پانی پاکستان میں بہتا تھا مگر 1960 کے Indus Water Treaty میں اِن تین نہروں کے ساتھ ساتھ تین دریا ستلج، بیاس اور راوی پر بھی بھارت کا حق تسلیم کر لیا گیا یہ وہ دریا ہیں جن میں سالانہ 33 ملین ایکڑ فٹ پانی سالانہ بہتا تھا جس میں سے پاکستان 25 ملین ایکڑ فٹ اور بھارت صرف 8 ملین ایکڑ فٹ استعمال کرتا تھا۔ اِس معاہدے کے بعد پاکستان کا اِن تینوں دریاؤں پر حق مکمل طور پر ختم کر دیا گیا جبکہ پاکستان کو ملنے والے تین دریاؤں جہلم، چناب اور سندھ میں سے دو یعنی جہلم اور چناب کا نقطہ آغاز بھی بھارت کے زیرِ تسلّط کشمیر میں ہے۔ اِس معاہدے کے تحت پاکستان اِس بات کا بھی پابند تھا کہ وہ اپنے اُن علاقوں کو اب مغربی دریاؤں سے سیراب کرنے کے لیے متبادل نہروں کی کُھدائی اور تعمیر کا کام شروع کرے جو اِس سے پہلے مشرقی دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے ذریعے سیراب ہوتے تھے۔ اِسکے علاوہ پاکستان کو مغربی دریاؤں پر ڈیموں کی تعمیر اور دریائے سندھ سے بھی نہریں اور پانی کے Channels نکال کر اپنی زرعی زمینوں کو سیراب کرنے کے لیے ایک طویل اور محنت طلب کام کو انجام دینا تھا۔ اِس سارے کام کے لیے کئی سال اور اربوں ڈالرز کی ضرورت تھی۔ ورلڈ بینک نے اپنی سر براہی میں چھ ممالک سے پاکستان کے 1.3 بلین ڈالرز حاصل کیے جسکا کچھ حصّہ امداد اور کچھ قرض کی شکل میں پاکستان کو دیا گیا تاکہ وہ مغربی دریاؤں سے نہروں کی تعمیر کے ذریعے اپنے علاقوں کو سیراب کر سکے۔ اِن چھ ممالک میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، جرمنی، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ شامل تھے جب کہ بھارت سے محض 620,60000 برطانوی پاؤنڈ حاصل کر کے اِسے ہمیشہ کے لیے تین مشرقی دریاؤں سمیت تینوں نہریں بھی دے دی گئیں اور جیسے پہلے بھی بتایا گیا کہ اِن تین نہروں کا 80% پانی پاکستان میں بہتا تھا۔ اور بھارت کو یہ تین دریا بھی اس حقیقت کے باوجود دیے گئے کہ اِس کے پاس اِن دریاؤں کے علاوہ 9 بڑے دریا اور اِن سے نکلنے والی بے شمار Tributaries یعنی چھوٹے دریا اور پہلے سے تعمیر شدہ ایک نسبتاً بہتر نہری نظام تھا جو بھارت کے تقریباً تمام علاقوں کو سیراب کرتا تھا۔ دونوں ممالک کے درمیان اِس معاہدہ میں کسی اختلاف کے پیش نظر فیصلہ کن کردار ثالث کے طور پر ورلڈ بینک کو ہی دیا گیا۔ اِس معاہدے میں واضح طور پر یہ دکھائی دیتا ہے کہ بھارت کو ہر طرح سے فائدہ پہنچا اور یہی وجہ ہے کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان تین جنگوں اور بے شمار اختلافات کے باوجود بھارت اِس معاہدے کو توڑنا نہیں چاہتا کیونکہ یہ معاہدہ ایک طرف تو اِسے فائدہ پہنچاتا ہے جبکہ دوسری طرف اُسے پاکستان پر غلبے کا راستہ دیتا ہے۔ اِس معاہدے کے ہوتے ہوئے بھی بھارت پاکستان کے دو دریاؤں جہلم اور چناب پر اپنے علاقے میں نصف درجن سے زائد پانی ذخیرہ کرنے اور بجلی بنانے کے منصوبے یا تو مکمل کر چکا ہے یا وہ زیرِ تکمیل ہیں جن میں سے زیادہ تر اِس معاہدے کی خلاف ورزی ہیں کیونکہ یہ منصوبے پاکستان کے اندر جہلم اور چناب میں پانی کے بہاؤ کو کم کر دیتے ہیں اور پاکستانی اعتراضات کے باوجود ورلڈ بینک کبھی بھارت کو اُن منصوبوں کو ختم کرنے پر مجبور نہیں کر سکا۔

سندھ طاس معاہدے میں بین الاقوامی طاقتوں کے کردار کو اِس پس منظر کی بنیاد پر سمجھا جا سکتا ہے کہ پچاس کی دہائی سے پاکستان کا جھکاؤ امریکہ کی طرف ہونا شروع ہو گیا اور ایوب خان کے اقتدار میں آنے کے بعد پاکستان مضبوطی سے امریکی مدار میں گردش کرنے لگا جبکہ دوسری طرف بھارت کانگریس کی حکومت کے تحت برطانیہ کے زیر اثر تھا۔ امریکہ پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں مضبوط کرنا چاہتا تھا اور اسے پاکستان کے آبی مسئلے پر تشویش بھی تھی لیکن تاریخی طور پر ورلڈ بینک پر امریکہ کی بجائے یورپ کا اثر ورسوخ موجود رہا ہے یہی وجہ ہے کہ دریاؤں اور پانی کی تقسیم کے مسئلے پر ورلڈ بینک کی ثالثی نے پاکستان کی بجائے بھارت کو زیادہ فائدہ پہنچایا کیونکہ بھارت امریکہ کی بجائے برطانیہ کے قریب تھا۔ آج جب علاقائی صورتِ حال تبدیل ہو چکی ہے اور بھارت بی جے پی حکومت کے زیرِ قیادت امریکہ کے دائرہ اثر میں جا چکا ہے ،اور خطے میں امریکہ ترجیحات تبدیل ہو چکی ہیں پس امریکہ پاکستان کو کمزور رکھنا چاہتا ہے اور بھارت کو علاقائی طاقت کے طور پر کھڑا کرنا چاہتا ہے جو پاکستان پر حاوی ہو، تو آج پاکستان کے پانیوں پر بھارت کا کنٹرول امریکہ کے مفاد میں ہے۔

آیئے اب اِس حقیقت کو دیکھتے ہیں کہ کیا پاکستان میں پانی کی کمی کا سبب اوپر بیان کیے گردہ صورتِ حال ہی ہے، یا اِسکے باوجود پاکستان کے پاس ہر سال پانی کی اتنی مقدار موجود ہوتی ہے جو اِسکی زراعت سمیت تمام ضروریات پوری کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ آبی وسائل سے متعلق دستیاب حقائق اور اعداد و شمار سے پتہ چلتاہے کہ پاکستان میں پانی کی کمی کا مسئلہ پانی کی قلت کی وجہ سے نہیں بلکہ پانی کے ضائع ہونے، موجودہ نہری نظام جسے 1960-70 کی دہائی میں بنایا گیا تھا کے Upgrade اور مرمّت نہ ہونے سے بوسیدہ ہو جانے، پانی کی غیر منصفانہ تقسیم اور ریاستی اداروں کی بے حسّی، نااہلی اور لالچ کی وجہ سے ہے۔ اِسکی ایک اور بڑی وجہ صوبوں کے آپس میں اور مرکز کے ساتھ عدم اعتماد بھی ہے جس کی جڑیں فیڈرل طرزِ حکومت میں پیوست ہیں۔ پاکستان انڈس واٹر سسٹم جس میں جہلم اور چناب کے دریا بھی شامل ہوتے ہیں بارشوں اور پہاڑوں پر برف کے پگھلنے سے کم و بیش 144 ملین ایکڑ فٹ پانی سالانہ لے کر آتا ہے۔ اِس میں 104 ملین ایکڑ فٹ پانی ہماری زرعی ضروریات کے لیے آبپاشی کے نظام کی طرف موڑ دیا جاتا ہے جسے پاکستان میں موجود ڈیموں، بیراجوں، نہروں اور اُنکے کھالوں کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ باقی 39 ملین ایکڑ فٹ پانی پاکستان کے مختلف علاقوں سے ہوتا ہوا سمند میں جا گرتا ہے۔ زراعت کے لیے مختص 104 ملین ایکڑ فٹ میں سے بھی زیادہ تر پانی بوسیدہ نہری نظام کی وجہ سے ضائع ہو جاتا ہے ایک کے بعد دوسری آنے والی فوجی و جمہوری حکومتوں نے اِس نظام کی بہتری اور اِسے Upgrade کرنے کے لیے کبھی سنجیدہ کوششیں نہیں کی۔ نہری راستوں کی Lining یعنی نہروں کے فرش اور اطراف کو پختہ نہ کرنے کی وجہ سے ہم ہر سال 104 ملین ایکڑ فٹ میں سے تقریباً 44 ملین ایکڑ فٹ پانی Seepage کی وجہ سے ضائع کر دیتے ہیں یعنی یہ پانی ہمارے کھیتوں اور فصلوں تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ آبی تحقیق بتاتی ہے کہ غیر پختہ نہریں یا Unlined Canals 30-50٪ پانی منزل تک پہنچانے سے پہلے ہی کھو دیتی ہیں اور پھر نہروں اور آبی راستوں کے فرش اور اطراف میں یہی جذب شدہ پانی آس پاس کے زرعی اور رہائشی علاقوں کے لیے Water Logging, Salinity یعنی سیم و تھور کا باعث بنتا ہے۔ جبکہ 3 ملین ایکڑ فٹ پانی Evaporation اور دوسرے مسائل کی وجہ سے ضائع ہو تا ہے۔ جبکہ باقی 57 ملین ایکڑ فٹ جب ہمارے کھیتوں اور فصلوں تک پہنچتا ہے وہاں پر بھی حکومتی اداروں کی طرف سے کسانوں کی تربیت نہ ہونے اور فصلوں کو پانی دینے کی جدید ٹیکنالوجی استعمال نہ کرنے کی وجہ سے اِس پانی کا ایک بڑا حصّہ بے جا اور غیر ضروری استعمال سے ضائع ہوتا ہے جبکہ وہ علاقے جو نہری راستوں سے زیادہ فاصلے پر ہوتے ہیں یا آبی راستوں کے نچلی جانب ہوتے ہیں پانی کے اِس ضیاع کی وجہ سے وہاں تک پانی کم پہنچ پاتا ہے اور یہاں کے کسان اپنی فصلوں کے لیے قدرتی طور پر اِس بہتے پانی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اِن متاثرہ کسانوں کو کم پانی ملنے کی ایک اور وجہ نہروں کے قریب یا آبی راستوں کے بالائی جانب اُن زمینوں کا ہونا بھی ہے جو بڑے سرمایہ داروں اور وڈیروں کی ملکیت میں ہوتی ہیں اور وہ حکومتی اہلکاروں کے تعاون یا حکومتی بے حسّی کی وجہ سے پانی کے ایک بڑے حصّے کو اپنی ہی زمینوں پر استعمال اور ضائع کر دیتے ہیں مجبوراً چھوٹے اور غریب کسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اِس مصنوعی کمی کو پورا کرنے کے لیے ٹیوب ویلوں کا سہارا لیتی ہے اور اِس طرح زیرِ زمین پانی کا استعمال اُن کی مجبوری بن جاتا ہے ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں اِس وقت تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ سے زائد ٹیوب ویل موجود ہیں جو زیرِ زمین پانی کو ایک خطرناک حد تک نکال کر استعمال کر رہے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق تقریباً 42 ملین ایکڑ فٹ پانی ہر سال اِن ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالا جاتا ہے جسے زرعی ضروریات کے علاوہ پینے کے پانی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اِس مصنوعی کمی کو پورا کرنے کے ٹیوب ویلوں کے ذریعے نکالے جانے والے اِس پانی کی وجہ سے پاکستان میں زیرِ زمین پانی کئی علاقوں میں خطرناک حد تک کم ہو چکا ہے جبکہ اگر حکومت نہری نظام کی Upgradation کرے اور نہروں کی Lining کرے اور آبپاشی کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرے تو زیرِ زمین پانی نکالنے کی ضرورت شاذ و نادر یا صرف چند مخصوص علاقوں میں ہی پیش آئے اور ہم اپنی ساری ضروریات دستیاب 104 ملین ایکڑ فٹ پانی سے پوری کرنے کے قابل ہوں۔

جہاں تک کراچی میں پینے کے پانی کی قلت کا مسئلہ ہے وہاں اِس مسئلہ کا تعلق پانی کی کمی سے ہر گز نہیں بلکہ ٹینکر مافیا کی حکومتی اداروں اور اہلکاروں سے ملی بھگت ہے۔ اِس ٹینکر مافیا کو کئی لالچی اور مفاد پرست رہنماؤں کی پُشت پناہی حاصل ہے۔ اِس معاملے میں حکومتی اداروں کی طرف سے پانی کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف اقدامات نہ کرنا بالواسطہ ٹینکر مافیا کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ عوام کو پانی کی مصنوعی قلت دکھا کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ٹینکر مافیا سے مہنگے داموں پانی خرید کر اپنی گھریلو ضروریات پوری کریں جبکہ پانی کا ایک ٹینکر کراچی میں 3500- 2500 روپے میں فروخت ہوتا ہے۔ کراچی میں پانی عام طور پر حب ڈیم سے سپلائی کیا جاتا ہے۔ ماضی میں جب بھی بارشوں کی کمی کی وجہ سے حب ڈیم میں پانی کی مقدار کم ہوتی تھی تو دریائے سندھ کے پانی کا رخ حب ڈیم کی طرف ایک آبی راستے کے

ذریعے موڑ دیا جاتا تھا اور کراچی کو پانی سپلائی کر دیا جاتا تھا مگر پچھلے چند سالوں میں جب بھی ڈیم میں پانی کی مقدار کم ہوتی ہے تو دریائے سندھ سے پانی ڈیم میں پہنچانے کی بجائے خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے تاکہ یہ مسئلہ شدّت اختیار کر جائے اور عوام کے پاس ٹینکر مافیا سے پانی خرید کر استعمال کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہ ہو۔ کراچی کے علاوہ دوسرے کئی شہروں میں بھی پینے اور گھریلو استعمال کے لیے پانی کی کمی کا تعلق مجموعی طور پر پانی کے نظام کو بہتر بنانے میں حکومتی اداروں کی نااہلی اور کرپشن سے ہی ہے یہاں تک کہ ملک کے دارالخلافہ اسلام آباد میں بھی سال کے اکثر اوقات پانی کی کمی کا مسئلہ عوام کو شدید پریشان کرتا ہے۔اِسی حکومتی نااہلی اور کرپشن کی وجہ سے ہی کئی بڑے سرمایہ دار صاف پانی عوام کو مہیا کرنے کے نام پر منرل واٹر کی کمپنیاں بنا کر عوام کو وہی پانی جو کہ اُن کا حق تھا کڑوڑہا کڑوڑ روپوں میں بیچ کر اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔

پاکستان میں ڈیموں کی تعمیر بھی صوبوں اور مرکز کے درمیان شدید اختلاف کا باعث بنتی ہے۔ یہ خالصتاً تکنیکی مسئلہ ہے جسے تکنیکی ماہرین کی آراء کی روشنی میں ہی حل ہونا چاہیے۔مرکز کا موقف یہ رہا ہے کہ اگر بالفرض اضافی پانی موجود نہ بھی ہو جو کہ سمندر میں گر کر ضائع ہو جائے تو وہ پانی جو شدید سیلاب کی صورت میں پاکستان کے مختلف علاقوں میں زرعی زمین کو نقصان پہنچاتا ہوا سمندر میں جا گرتا ہے،اسے چھوٹے اور بڑے ڈیم بنا کر محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ڈیم ایک طرف تو اِس پانی کے ذریعے سستی بجلی پیدا کرتے ہیں، زراعت کے لیے حسبِ ضرورت پانی مہیّا کرتے ہیں اور دوسری طرف سیلاب کی شدّت کو کم کر کے زرعی زمین اور فصلوں کو ہونے والے نقصان کو بھی کئی گنا گھٹا دیتے ہیں۔ پاکستان میں دو بڑے ڈیم تربیلا اور منگلا سمیت پانی کے دوسرے چھوٹے ذخیرے مجموعی طور پر صرف 17 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ جبکہ پانی ذخیرہ کرنے کی اِن کی گنجائش بھی Silting کی وجہ سے ہر گزرتے سال کے ساتھ کم ہوتی جا رہی ہے۔ تربیلا اور منگلا ڈیم اِس Silting کی وجہ سے ہی پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کا 33٪ کھو چکے ہیں۔ بننے والے نئے ڈیم اِن موجودہ ڈیموں پر شدید دباؤ کو بھی کم کریں گے اور مزید Silt کے آنے کی مقدار کم ہو کر اِن موجودہ ڈیموں کی قابلِ استعمال رہنے کی مدّت بھی بڑھا دیں گے۔ اسی موقف کی بنا پر نئی حکومت نے ڈیم بنانے کی مہم کا آغاز کیا تاہم صورتِ حال یہ ہے اِس کے پاس ڈیم بنانے کے لیے رقم دستیاب نہیں ہے اب یہ رقم یا تو بین الاقوامی اداروں سے اربوں ڈالرز قرض لے کر حاصل کی جائے اور اِس قرض اور اِسکے سود کی ادائیگی کے لیے کئی دہائیوں تک عوام پر مزید مہنگائی اور مزید ٹیکسوں کا نفاذ کر دیا جائے یا پھر یہ حکمران جذبہ حب الوطنی کا سہارا لے کر ایک مرتبہ پھر عوام کو ہی نچوڑیں اور اس خوف میں مبتلا کر کے ان سے پیسے بٹوریں کہ اگر انہوں نے نئے ڈیموں کی تعمیر کے لیے اربوں روپے اکٹھے کر کے حکومت کو نہ دیے تو اُنکی آنے والی نسلیں تباہ ہو جائیں گی ۔ نئے حکمرانوں نے ڈیموں کی تعمیر کے لیے پیسہ اکٹھا کرنے کے لیے یہی دوسرا راستہ اپنایا ہے مگر صرف دیامیر بھاشا ڈیم کے لیے درکار 1400 ارب روپے سے زائد رقم صرف عوام کی جیبوں سے نکلوانے کے لیے نہ جانے کتنے سال یا کتنی دہائیاں لگیں گی - ڈیم بنانے کا عمل اِس وجہ سے بھی ایک بہت مہنگا عمل ہو گیا ہے کہ 70 سالوں میں پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں نے اداروں کی Structuring اور تربیت سازی کبھی اِس انداز سے نہیں کی کہ میگا پراجیکٹس کے لیے ٹیکنالوجی اور ماہرین مقامی سطح پر ہی دستیاب ہوں اور جب ہمیں اِسطرح کا کوئی میگا پراجیکٹ بنانا ہوتا ہے تو ہمیں ٹیکنالوجی اور ماہرین کے لیے بین الاقوامی ممالک یا اداروں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔ جو اِس کام کا بھاری معاوضہ وصول کرتے ہیں۔اتنی بڑی رقم صرف عوام سے ہی اکٹھی کرنا جس پر یہ حکومت بضد نظر آتی ہے ایک انتہائی مضحکہ خیز بلکہ ظالمانہ عمل ہے۔ پاکستان کی ستر سالہ تاریخ میں جب بھی مشکل وقت ہو یا مشکل فیصلہ کرنا ہو تو عوام نے حکومت کا ساتھ دیا ہے لیکن جب یہی مظلوم مگر مخلص عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے اِن نااہل حکمرانوں کو پُکارتے ہیں تو یہ حکمران بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ڈیموں کی تعمیر میں دوسرا بڑا مسئلہ صوبوں کے آپسی اور مرکز کے ساتھ اِس معاملے پر اختلافات ہیں۔ اِن اختلافات کی وجوہات ڈیموں کے تکنیکی معاملات سے زیادہ ایک دوسرے پر عدم اعتماد کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اور یہی عدم اعتماد جمہوری اور سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کیونکہ اِس نظام میں حصّہ لینے والا ہر گروہ اِس نظام کے ساتھ جڑے ہوئے مفادات کا زیادہ سے زیادہ حصّہ وصول کرنا چاہتا ہے اور جب بھی ایسا ہوتا ہے تو کچھ دوسرے گروہوں کے مفادات بالخصوص اور عوام جو پہلے ہی لاتعداد مسائل کا شکار ہوتے ہیں اُن کے حقوق بالعموم شدید متاثر ہوتے ہیں۔اِسطرح کسی بھی تعطل کی شکل میں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے عوام ہی ہوتے ہیں جیسا کہ پاکستان میں ڈیموں کی تعمیر کے بارے میں ہو رہا ہے۔

پاکستان کے سرمایہ دارانہ حکمرانوں نے پچھلے بیس سالوں میں پانی کی کمی کا جھوٹا شور تو بہت مچایا ہے لیکن کبھی بھی اِس مسئلے کو خصوصاً زراعت کے میدان میں پانی کی کمی کو دور کرنے اور زرعی پیداوار کو متاثر ہونے سے بچانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی کا سہارا نہیں لیا اور

نہ ہی جدید ٹیکنالوجی کسانوں میں عام کرنے کے لیے سنجیدہ کوشش کی۔ حالانکہ کئی ترقی یافتہ بلکہ ترقی پذیر ممالک بھی زراعت کے میدان میں متعارف ہونے والی سائنسی ایجادات اور وسائل کے ذریعے اپنی زرعی پیداوار کو کم پانی کے باوجود کئی گنا بڑھا چکے ہیں۔ اِن ذرائع اور وسائل میں سے ایک Qemisoyl ٹیکنالوجی ہے۔ Qemisoyl دانے دار Sythetic Polymer ہوتا ہے۔ اِسکی صرف ایک گرام مقدار آدھ لیٹر پانی جذب کر کے اپنا وزن پانچ سو گنا تک بڑھا لیتی ہے اور تقریباً سارا پانی پودوں کی جڑوں میں جذب کر کے واپس ایک گرام مقدار کے حجم پر آجاتی ہے۔ Qemisoyl کے اِن ذرات سے پانی کی پودوں کی جڑوں میں منتقلی کے دوران پانی ہوا میں تحلیل بھی نہیں ہوتا جسے Evaporation کہتے ہیں اور نہ ہی یہ کسی اور طرح ضائع ہوتا ہے۔ یہ ذرات پانی کو پودوں کی منتقلی کے دوران مٹی کی Density کو کم کر کے اِس میں ہوا اور پانی کی رسائی کو بہت آسان بناتے ہیں جو کہ پیداوار میں اضافے میں بھی مددگار ہوتا ہے۔ Qemisoyl کے یہ ذرات پانی پودوں کو منتقل کرنے اور اپنے ایک گرام کے وزن پر واپس آجانے کے بعد دوبارہ آدھا لیٹر پانی جذب کر کے اِس عمل کو بار بار دہرانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ذرات زمین میں Apply کرنے کے 4 سے 5 سال بعد تک قابل استعمال رہتے ہیں اور بلوچستان اور سندھ کے غیر بارانی اور پانی کی کمی سے متاثرہ علاقوں میں کاشت کاری کے لیے Wonder remedy کے طور پر کام کر سکتے ہیں جبکہ اِسکی قیمت بھی ہمارے تمام علاقوں کے کسانوں کی پہنچ میں ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ یہ زرعی پیداوار کو فی ہیکٹر 27-20٪ تک بڑھا دیتے ہیں اور پانی کی کمی کا مسئلہ 50-40٪ تک حل کر دیتے ہیں جبکہ Bio degradable ہونے کی وجہ سے اپنی مدّت پوری ہونے پر زمین کو نقصان پہنچائے بغیر مٹی کا حصّہ بن جاتے ہیں اور اِن کی جگہ دوسرے دانے دار ذرات استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

زمین کو ایک اور جدید انداز سے پانی دینے کے لیے Drip Irrigation System /Trickle بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جس میں ایک بڑے رقبے کو بہت زیادہ مقدار میں پانی دینے کی بجائے پودوں یا فصل کو انفرادی طور پر ہی سیراب کر دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ خاص طور پر پھلوں کے باغات اور ایسی فصلوں کے لیئے نہایت موزوں ہے جہاں پر فصل کے پودے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر موجود ہوتے ہیں۔ اِس میں ہر درخت یا پودے کو اُسکی اطراف میں چھوٹے سے Diameter میں کفایت شعارانہ انداز میں پانی پہنچایا جا سکتا ہے اور پودوں کو یہ پانی پہنچانے کے لیے اُن کے اطراف میں چھوٹے والوز، پائپ یا ٹیوبیں زمین کی سطح کے اوپر یا سطح سے چند سینٹی میٹر نیچے دبا دیے جاتے ہیں جو کہ خاص Calculated مقدار میں ہی اِن پودوں کے لیے پانی Release کرتے ہیں اور اسطرح پانی ضائع نہیں ہوتا۔

اِسکے علاوہ ایک اور جدید ذریعۂ آبپاشی Sprinkler Irrigation System ہے۔ یعنی ایک Water/ Raingun کے ذریعے فصلوں اور پودوں کو پانی کا چھڑکاؤ۔ یہ طریقہ قدرتی بارش کیطرح ہی کام کرتا ہے یہ واٹر گن زمین میں پائپ یا فوارے کی شکل میں نصب کر دی جاتی ہے جو پانی کو Pump کر کے ہوا میں پودوں کے اوپر چھڑک دیتی ہیں جو کہ زمین میں گرنے کے بعد پودوں کی جڑوں تک پہنچ کر اِسے سیراب کرتی ہیں اور اِسطرح بڑے زرعی رقبہ کو بے تحاشا پانی دینے کی بجائے اِس پائپ یا فوارے کے ذریعے مناسب مقدار میں پانی دینے سے بہت سارا پانی بچا لیا جاتا ہے۔

اِن ذرائع کے علاوہ بھی کئی ایسے جدید طریقے موجود ہیں جو پانی کی کمی کے باوجود فصل اور پیداوار کو متاثر نہیں ہونے دیتے بلکہ اِن ذرائع کے استعمال سے پیداوار مزید بڑھ جاتی ہے۔ اِسکے علاوہ استعمال شدہ پانی کو Recycle کرنے کی ٹیکنالوجی سے بھی استفادہ کر کے استعمال شدہ پانی کی ایک بہت بڑی مقدار کو دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے مگر پاکستان مین اِسکی جانب بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جب تک ریاست اِن طریقوں اور ذرائع کی حوصلہ افزائی نہ کرے، کسانوں کی تربیت نہ کرے اور کسانوں کو جدید طریقے اپنانے کے لیے مالی مدد مہیا نہ کرے اُس وقت تک ہمارا کسان کبھی ترقی نہیں کرے گا اور ہماری زراعت جو ابھی بھی GDP کا 25٪ پیدا کرتی ہے اِسی طرح سسکتی رہے گی۔ ہمارے جمہوری اور سرمایہ دارانہ حکمرانوں کے طرزِ حکمرانی کا یہ ایک بہت تکلیف دہ اور افسوسناک تضاد ہے کہ وہ نظامِ حکمرانی اور قوانین تو کفار اور نام نہاد ترقی یافتہ ممالک سے لیتے ہیں کہ جن کو لینا اللہ اور اُسکے رسول نے حرام قرار دیا مگر وہ سائنسی تحقیق، نئی ایجادات اور جدید ذرائع ٹیکنالوجی کہ جن کو لینا شرع نے جائز قرار دیا ہے اُن سے استفادہ کر کے لوگوں کے بنیادی مسائل حل کرنے میں انتہائی سُست بلکہ ناکام دکھائی دیتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اِذن سے انشاءاللہ قائم ہونے والی ریاستِ خلافت اسلامی احکامات کی روشنی میں پانی کے مسئلے کو حل کرے گی، وہ جدید ٹیکنالوجی سمیت ایسے تمام وسائل بروئے کار لائے گی جو امت کو اِس مسئلہ سے نجات دلائیں گے۔ آج لوگوں کا حکمرانوں اور اِس جمہوری و سرمایہ دارانہ نظام پر عدم اعتماد پانی کے مسئلے

میں نمایاں رکاوٹ کے طور پر نظر آتا ہے۔ کیونکہ یہ حکمران مختلف قسم کے ظالمانہ ٹیکسوں کے ذریعے عوام کا شدید استحصال کرتے ہیں مگر بدلے میں عوام کو سہولیات کی بجائے مہنگائی، بجلی پانی گیس کی لوڈشیڈنگ، مہنگی تعلیم اور صحت کی ناکافی سہولیات جیسے عذاب ملتے ہیں جبکہ حکمرانوں کے اپنے اثاثوں اور آسائشوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ریاستِ خلافت پہلے دن سے ہی وہ تمام ظالمانہ اور غیر شرعی ٹیکسز جو چاہے Direct ہوں یا Indirect کو کالعدم قرار دے دے گی جنہوں نے عوام کی کمر توڑ دی ہے جس سے فوری طور پر ہی مہنگائی کا خاتمہ ہوگا۔ جبکہ پٹرول، گیس، کوئلہ اور بجلی بنانے کے ذرائع پرائیوٹ کمپنوں سے لے کر اُنہیں ریاستی تحویل میں دے گی کیونکہ اسلامی احکامات کی روشنی میں یہ امت کے اثاثے ہیں اور ان پر بھاری ٹیکسوں کا خاتمہ کردے گی جس سے عوام کو اپنی زندگیوں میں معاشی طور پر ایک بڑی تبدیلی محسوس ہوگی اور وہ سکھ کا سانس لیں گے۔ یہ تمام اقدامات ریاستِ خلافت کے ابتدائی دنوں سے ہی عوام کا اسلامی حکومت پر اعتماد بحال کردیں گے اور جب اِنہیں اِس بات کا یقین ہوگا کہ حکومت کے تمام اقدامات کی بنیاد دینِ اسلام ہے نہ کہ ماضی کی سرمایہ دارانہ حکومتوں کی طرح حکمرانوں کا مفاد تو ڈیم بنانے یا نہ بنانے سمیت تمام ریاستی اقدامات کے پیچھے عوام کی حمایت و تائید واضح طور پر نظر آئے گی۔ اِنہیں اِس بات کا بھی پوری طرح یقین ہوگا کہ ریاست خلافت کسی بھی طرح اُن کا استحصال یا حقوق پامال نہیں ہونے دے گی۔ ریاستِ خلافت رسولؐ اللہ کی حدیث مبارکہ **المسلمون شرکاء فی ثلاث: فی الماء والکلاء والنار** "مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں : پانی، چراگاہیں اور آگ" کی روشنی میں زراعت کے لیے پانی کے وسائل مہیا کرنے کے علاوہ وہ ہر شخص تک پینے کے لیے صاف پانی کی رسائی ممکن بنائے گی کیونکہ یہ ہر شخص کا حق ہے۔ نہری نظام کو Upgrade کرنے کے علاوہ اُسکو جدید بنیادوں پر وسعت دی جائے گی اور سندھ اور بلوچستان کے اُن علاقوں تک پانی مختلف ذرائع سے پہنچایا جائے گا جنہیں اِس نعمت سے اب تک محروم رکھا گیا ہے، اگر وہاں پانی کی ترسیل مشکل ہو تو انہیں ایسے علاقوں میں بسایا جائے گا جہاں پانی کی قلت نہ ہو، جبکہ زرعی پیداوار میں اضافے کے لیے ریاستِ خلافت پاکستان کی تمام زرعی زمین کو کسانوں اور ان زمینوں کے مالکان کے ذریعے قابل کاشت بنائے گی جبکہ زرعی ٹیکنالوجی چھوٹے کسانوں میں عام کرنے اور زرعی آلات، کھادوں اور کیڑے مار ادویات پر تمام غیر شرعی ٹیکسز ختم کرکے زراعت کے میدان میں نئی روح پھونکے گی۔ اِسلامی اقتصادی نظام کا نفاذ ریاست کو کثیر سرمایہ مہیا کرے گا اور اس کثیر سرمایہ سے ہی پانی کے مختلف پراجیکٹس اور نہری نظام کی بہتری کو یقینی بنایا جائے گا نہ کہ سودی قرضوں کے حصول کے ذریعے۔ اِس کے علاوہ خلافت اپنے اداروں کی Structuring اور جدید سائنسی تعلیم کی فراہمی اس انداز سے کرے گی کہ ڈیموں کی تعمیر سمیت ہر قسم کے میگا پراجیکٹس کے لیے ماہرین اور جدید ٹیکنالوجی مقامی سطح پر ہی دستیاب ہوں اور کفار پر انحصار مکمل طور پر ختم کردیا جائے۔

جہاں تک بھارت کی آبی جارحیت اور پاکستان کے کچھ آبی وسائل پر بھارت کی دسترس اور غلبے کا تعلق ہے تو اُسکی وجہ پاکستان کی سرمایہ دارانہ حکومتوں اور حکمرانوں کی سیاسی غیر پختگی، بزدلی اور خارجہ پالیسی کو استعماری کفار کے تابع کرنا ہے۔ اگر 48-1947 کی جنگ میں کشمیر کے ایک تہائی حصّہ پر اکتفا کرنے کی بجائے پورے کشمیر کو فتح کرلیا جاتا اور اسکے ساتھ فیروز پور اور زِرا کی تحصیلوں کو بھی مسلم آبادی ہونے کی بنیاد پر فوجی طاقت کے ذریعے حاصل کرلیا جاتا، اور اپنے معاملات میں ورلڈ بینک جیسے اداروں کو مداخلت کی اجازت نہ دی جاتی تو بھارت کو کبھی پاکستان کے آبی وسائل پر دسترس اور غلبہ حاصل نہ ہوتا اور نہ ہی پاکستان کی عوام کے سر پر انڈس واٹر معاہدے جیسا کوئی معاہدہ تھوپا جاتا۔ ریاستِ خلافت جو کہ جہاد کو اِسلامی احکامات کی روشنی میں اپنی خارجہ پالیسی کا محور بنائے گی، کسی بھی صورت یہ برداشت نہیں کرے گی کہ یہ علاقے بھارتی تسلّط میں رہیں اور ان کو آزاد کراکے اور اسلامی ریاست کا حصّہ بنا کر اپنے آبی وسائل پر بھارتی دسترس کو ہمیشہ کے لیے ختم کردے گی اور اگر پھر بھی اِس مسئلہ پر بھارتی ریاست کے ساتھ پانی کے مسئلے پر کسی عارضی معاہدے کی ضرورت ہوئی تو اِس میں اسلام کے احکامات کی روشنی میں ریاست اور عوام کے مفاد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہی اِس معاہدے کو ترتیب دیا جائے گا۔ اور کسی اور غیر مسلم بین الاقوامی ادارے کے ہاتھ میں اِسکی ثالثی کا اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا** "اللہ نے کفار کو ہرگز مسلمانوں پر کوئی غلبہ /اختیار نہیں دیا"

(سورہ النساء: 141)

ختم شد

موجودہ حکمرانوں کے شرعاً جواز پر تفصیلی بحث

تحریر: ابو نزار الشامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات عالی کے لیے ہیں جس کے حکم ہی کی اطاعت کی جاتی ہے، اور صرف اسی کی شریعت کی پیروی کی جاتی ہے، صرف اسی کے دوستوں اور ولیوں اور برگزیدہ لوگوں کے ساتھ وفاداری برتی جاتی ہے، دُرود وسلام ہو اولین ولی الامر اور کامل ترین شریعت والے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

جب سے اسلامی ریاست کا سقوط ہوا، اور مغرب نے اسے پارہ پارہ کرکے اس کے ٹکڑوں کی حدود متعین کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر اس کو باغی و سرکش حکمرانوں کے سپرد کیا، جنہوں نے کرۂ ارضی پر ظلم و جبر کی بدترین تاریخ رقم کی اور نہایت بھونڈے طریقے سے اُمت پر جابرانہ حکومت کی بنیادوں کو گہرے سے گہرا کر دیا، اس حد تک کہ امت کی حالت جاہلیت اولیٰ کے زمانے کا منظر پیش کرنے لگی، تب سے اولوالامر کی اطاعت پر بہت زیادہ بحث ہو رہی ہے۔

لیکن زیادہ قابل تعجب بات یہ تھی کہ ان اندوہناک حالات میں امت اور حاملینِ دعوت کے راستے میں مسلمانوں میں سے ہی ایک گروہ آ کھڑا ہوا، یہ لوگ علماء کے بھیس میں اور ان ہی کی وضع قطع اپنا کر، بجائے جلادوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے، اس مظلوم و مقہور اور ستم رسیدہ امت پر دھاڑنے لگے کہ صبر سے کام لینا چاہیے، اطاعت اختیار کیے رکھو اور اس ظلم و زیادتی کو خاموشی سے سہتے رہو، کفریہ حکمرانی کو برداشت کرتے رہو، اپنی کمر پر کوڑے کھانا قبول کرتے رہو، اگر کوڑے مارنے والا اولوالامر میں سے ہو!!!! گویا ان بادشاہوں کا ظلم ناکافی تھا، اور یہ مٹھی بھر گروہ بھی ان کو سہارا دینے اور ان کی خدمت کے لیے سامنے آگیا۔

محمد امان الجامی کی طرف منسوب الجامیہ پارٹی ہو یا ربیع بن الہادی المدخلی کی المداخلہ ہو، یا پھر مصر کی رسلانی جماعت ہو جس کی نسبت محمد سعید رُسلان کی طرف کی جاتی ہے، اور ان جیسی دیگر بہت ساری جماعتیں ہیں، جن کے نام اتنے خاصے اہم نہیں، اہم چیز یہ ہے کہ ان ناموں اور عنوانوں سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے اندر کیا کیا آمیزشیں اور گڑبڑ کی گئی۔

لیکن زیادہ قابل تعجب بات یہ تھی کہ ان اندوہناک حالات میں امت اور حاملینِ دعوت کے راستے میں مسلمانوں میں سے ہی ایک گروہ آ کھڑا ہوا، یہ لوگ علماء کے بھیس میں اور ان ہی کی وضع قطع اپنا کر، بجائے جلادوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے، اس مظلوم و مقہور اور ستم رسیدہ امت پر دھاڑنے لگے کہ صبر سے کام لینا چاہیے، اطاعت اختیار کیے رکھو اور اس ظلم و زیادتی کو خاموشی سے سہتے رہو، کفریہ حکمرانی کو برداشت کرتے رہو، اپنی کمر پر کوڑے کھانا قبول کرتے رہو، اگر کوڑے مارنے والا اولوالامر میں سے ہو!!!!

سلف کے نام کو استعمال کرنے والے اس گروہ کی دعوت کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

1- حکمرانوں کی بحیثیت حکمران پُرجوش وفاداری، ان کا دفاع، ان کے جرائم کا جواز ڈھونڈنا اور ان کے خلاف خروج حتیٰ کہ ان کے سامنے کھڑے ہونے کو بھی حرام کہنا، بلکہ ان کے مقابلے میں کھڑے ہونے والے کو خوارج اور جہنم والوں کے کتے جیسے القابات دے کر ان کے قتل کی راہ نکالنا، خواہ یہ لوگ نیک اور پاک طینت علماء ہی کیوں نہ ہو۔

2- ان حکمرانوں کی موجودگی کے جواز پر زور دینا، خواہ وہ غاصبانہ اقتدار پر قبضہ کرنے والے اور امت سے اس کی اتھارٹی سلب کرنے والے ہوں۔

3- حکمرانوں کی مطلقاً اطاعت، خواہ وہ زیادتیاں کرتے ہوں، اللہ سے بغاوت کریں یا زمین میں فساد مچائیں، بلکہ تب بھی جب حکمران کفر سے حکمرانی کریں، اور اللہ کے دشمنوں کے وفادار بنے ہوئے ہوں، بعض تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ حکمران خواہ کفار ہی کیوں نہ ہوں ان کی اطاعت کی جائے گی۔

البتہ ان میں سے وہ لوگ جو غلو نہیں کرتے ان کا اتفاق ہے کہ پانچ شرائط پورے ہونے پر حکمران کے خلاف خروج جائز ہے، وہ پانچ شرائط یہ ہیں:

1- حکمران جس خلافِ شرع امر کا مرتکب ہو جائے، اس فعل کے ذاتی مشاہدہ یعنی آنکھوں دیکھا ہونا ضروری ہے، سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ وہ

یہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، انہوں نے رسول کریم ﷺ سے نقل کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **((إلّا أن تروا كفرًا بواحًا عندكم من الله فيه برهان))** "مگر یہ کہ تم واضح کفر دیکھ لو جس (کے کفر ہونے) پر تمہارے پاس کوئی قطعی دلیل موجود ہو" (بخاری)۔

2-یہ کہ حکمران سے سرزد ہونے والا کام مسلمانوں کی نظر میں کفر ہو، یعنی صرف فسق یا گناہ کی حد تک نہ ہو جس کا ارتکاب کر کے دین سے خروج لازم نہ آتا ہو۔ مثلاً حکمران کو بت کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا جائے، یا اللہ و رسول ﷺ کو گالیاں بکتے ہوئے سنا جائے (معاذ اللہ)، وغیرہ جیسے کفریہ امور۔

3-ان کا کفر، کفر بواح یعنی واضح کفر ہو، جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے، بواح کے معنی صریح اور واضح کے ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجائش ہی نہ ہو، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ امام احمد بن حنبلؒ کے دور میں رونما ہوا تو انہوں نے اسے کفر قرار دیا تھا، مگر مسلمانوں کے حکمران "المامون" کو کافر قرار نہیں دیا جس کا یہی عقیدہ تھا کیونکہ وہ اس میں تاویل کرتا تھا۔

4-مسلمانوں کے پاس حکمران کے کفر پر قطعی اور بے غبار دلیل موجود ہو۔

5-حکمران کے خلاف خروج اس کے حکمران رہنے کے شر سے بڑے شر اور فساد کا پیش خیمہ نہ بنے۔

اس قسم کے تصورات رکھنے والوں کو دوسروں کے مقابلے میں جو چیز ممتاز بناتی ہے، وہ ہے قرآن وسنت کی قابل قدر اور متعدد نصوص شریفہ سے ان کا لیس ہونا، اور امت کے سابقہ اکابر علماء اور سلف صالحین کے اقوال کے ذخیرے کا ان کے پاس جمع ہونا، جن کو وہ اپنے مخالفین یا کسی بھی ایسے شخص کے سامنے جو ان کی باتوں پر کسی قسم کی حیرانگی کا اظہار کرے، بے دھڑک پیش کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، یہ لوگ ایک طرف تو مسلمانوں پر سختی اور جرات کے روادار ہیں، تو دوسری طرف بڑے سرکشوں کے حق میں نرمی اور برداشت کا رویہ اپنانے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

حکمران کے خلاف خروج اس کے حکمران رہنے کے شر سے بڑے شر اور فساد کا پیش خیمہ نہ بنے۔ اس قسم کے تصورات رکھنے والوں کو دوسروں کے مقابلے میں جو چیز ممتاز بناتی ہے، وہ ہے قرآن وسنت کی قابل قدر اور متعدد نصوص شریفہ سے ان کا لیس ہونا، اور امت کے سابقہ اکابر علماء اور سلف صالحین کے اقوال کے ذخیرے کا ان کے پاس جمع ہونا، جن کو وہ اپنے مخالفین یا کسی بھی ایسے شخص کے سامنے جو ان کی باتوں پر کسی قسم کی حیرانگی کا اظہار کرے، بے دھڑک پیش کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، یہ لوگ ایک طرف تو مسلمانوں پر سختی اور جرات کے روادار ہیں، تو دوسری طرف بڑے سرکشوں کے حق میں نرمی اور برداشت کا رویہ اپنانے کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

وہ نصوص جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا). "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول (ﷺ) کے حوالے کر دو، یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے" (النساء: 59)۔

دوسرے یہ کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((عليك بالطاعة، في منشطك ومكرهك، وعسرك ويسرك، وأثرة عليك))** "اطاعت کو لازم پکڑو، خوشی اور ناگواری، تنگی اور فراخی کی حالت میں اور اس وقت بھی جب تم پر کسی اور کو ترجیح دی جائے"۔ یہ حدیث نسائی و احمد نے روایت کی ہے، اور نہایت درجہ صحیح ہے۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **((من أطاعني فقد أطاع الله، ومن عصاني فقد عصى الله، ومن أطاع أميري فقد أطاعني، ومن عصى أميري فقد عصاني))** "جس نے میری اطاعت کی، تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی تحقیق اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔ ایک روایت میں **"امیری"** کی جگہ **" الامیر"** اور ایک میں **"الامام"** کا لفظ آیا ہے، یہ حدیث بھی انتہائی

صحیح ہے۔ یہ متفق علیہ ہے، ابن ماجہ، مسند احمد اور سنن نسائی میں بھی ایسا ہی روایت کیا گیا ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((من رأى من أميره شيئًا يكرهه فليصبر عليه، فإنه من فارق الجماعة شبرًا فمات إلا مات ميتة جاهلية))** "جو شخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھے تو اس پر صبر کرے، کیونکہ جس نے بھی جماعت سے بالشت برابر علیحدگی اختیار کی اور اسی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ یہ صحیح حدیث ہے، اس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے **:((فإنه من خرج من السلطان شبرًا: مات ميتة جاهلية))** "کیونکہ جس نے بھی سلطان (امیر) کی اطاعت سے بالشت بھر خروج کیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔ اس سے ملتی جلتی حدیث امام احمد نے روایت کی ہے، جس کی سند غایت درجہ صحیح ہے۔

((يكون بعدي أئمة لا يهتدون بهداي، ولا يستنون بسنتي، وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان إنس!"، قال: قلت: كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك؟!، قال: "تسمع وتطيع للأمير، وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك، فاسمع وأطع)) "میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری ہدایت سے رہنمائی حاصل نہیں کریں گے اور نہ میری سنت کو اپنائیں گے اور عنقریب تم میں سے ایسے لوگ کھڑے ہوں گے کہ ان کے دل انسانی جسموں میں شیاطین کے دل ہوں گے۔ میں (حذیفہ) نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں اس زمانے کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو خواہ تمہاری پیٹھ پر مارا جائے یا تمہارا مال غصب کر لیا جائے پھر بھی اسکی بات سنو اور اطاعت کرو"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنہ میں فرماتے ہیں: "اور اسی وجہ سے اہلِ سنت کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ حکمرانوں کے خلاف خروج اور تلوار کے ساتھ ان سے جنگ کو جائز نہیں سمجھتے، خواہ وہ ظلم کریں، اس پر نبی ﷺ کی صحیح اور مشہور احادیث دلالت کرتی ہیں، کیونکہ جنگ و جدال کا فساد اور فتنہ ان کے ظلم سے پیدا ہونے والے فساد سے کہیں زیادہ ہے، کم از کم ان کی طرف سے کیے جانے والے ظلم میں عمومی قتال اور فتنہ نہیں ہوتا۔ شاید ہی کوئی ایسا گروہ ہو، جس نے کسی صاحبِ اقتدار کے خلاف خروج کیا، جس کی وجہ سے اس کے پھیلائے ہوئے فساد سے بڑا فساد برپا نہ ہوا۔ بلکہ جس فساد کو ہٹانے کا اس گروہ نے ارادہ کیا تھا اس سے زیادہ بڑا فساد حکمرانوں کے خلاف جنگ سے ہی واقع ہوا"۔

اپنی دعوت میں وہ اسی قسم کا بے مہار انداز اپناتے اور بحث میں بدخُلقی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مسلمانوں کی فکری انحطاط اور اسلامی تصورات سے بیگانگی بالخصوص شرعی سیاست سے متعلقہ مفاہیم سے امت کی اجنبیت کی وجہ سے ان لوگوں کو شہ ملی، چنانچہ یہ لوگ اس صورتحال سے بھرپور فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اور اپنے بے تکے شبہات پھیلانے کے لیے انہیں بہترین فضا اور زرخیز زمین میسر ہے۔

ان صریح نصوص کو سُن کر، جنہیں یہ لوگ اپنے مخالفین کے مقابلے میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں ،ایک مسلمان حیرت اور پریشانی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ حیران اس لیے کہ موجودہ سرکش حکمرانوں کی چیرہ دستیوں اور ظلم وستم کو خاموشی اور اطاعت سے کیسے برداشت کیا جائے اس طرح تو اس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ایسا کرنے سے یہ سلسلہ مزید بڑھتا اور بڑا ہوتا جائے گا۔ حیران اس لیے بھی کہ اس کے دل میں اسلام نے عزت وسربلندی اور سر اٹھا کر جینے کا جو بیج بویا ہے، وہ اسے غیر اللہ کے آگے جھکنے اور اللہ کی نافرمانیوں پر خاموش نہیں رہنے دیتا، وہ کیونکر ایسا کر سکتا ہے، جبکہ وہ سیرت مصطفی ﷺ کا مطالعہ کرتا ہے جو باطل سرداروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوئے تھے اور ان کے آگے جھکنے سے انکار کیا تھا۔ یہ بات بالکل بعید از سمجھ ہے کہ وہی اللہ سبحانہ اور اس کے رسول ﷺ ہمیں اپنے

> ایک مسلمان حیران اس لیے بھی ہے کہ اس کے دل میں اسلام نے عزت و سربلندی اور سر اٹھا کر جینے کا جو بیج بویا ہے، وہ اسے غیر اللہ کے آگے جھکنے اور اللہ کی نافرمانیوں پر خاموش نہیں رہنے دیتا، وہ کیونکر ایسا کر سکتا ہے، جبکہ وہ سیرت مصطفی ﷺ کا مطالعہ کرتا ہے جو باطل سرداروں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوئے تھے اور ان کے آگے جھکنے سے انکار کیا تھا۔ یہ بات بالکل بعید از سمجھ ہے کہ وہی اللہ سبحانہ اور اس کے رسول ﷺ ہمیں اپنے دشمنوں کے آگے جھکنے کا حکم دیں۔؟ افسوس کہ وہ یہ صحیح نصوص سن کر کنفیوژ ہو جاتا ہے کہ وہ نہ تو انہیں مسترد کر سکتا ہے، نہ ہی غلط ٹھہرا سکتا ہے۔

دشمنوں کے آگے جھکنے کا حکم دیں۔؟افسوس کہ وہ یہ صحیح نصوص سن کر کنفیوژ ہو جاتا ہے کہ وہ نہ تو انہیں مسترد کر سکتا ہے، نہ ہی غلط ٹھہرا سکتا ہے۔

ان نصوص کا ایسا استعمال تبدیلی لانے کی قوت وخواہش کو ٹھنڈا کر دیتی ہے، حرام کی تبدیلی بجائے خود حرام ٹھہر جاتی ہے، اور اللہ کی اطاعت کی جگہ اُلٹا اس کے دشمنوں کی اطاعت لازم بن جاتی ہے!!! اور دبدبہ وشوکت کا وہ کنڈل بکھر جاتا ہے جو عظیم بہادر شہسوار ربعی بن عامرؓ کے اس یادگار جملے میں جھلکتا نظر آتا ہے:

إن الله ابتعثنا لإخراج من شاء من عبادة العباد إلى عبادة رب العباد!!!

"اللہ تعالی نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ جس کے لیے وہ چاہے ،اسے بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے رب کی بندگی میں لے آئے!!!"۔

یہاں ایک اہم چیز کی طرف اشارہ ضروری ہے، کہ ہم نص اور سند والی امت ہیں، اس لیے یہ حکمت کے خلاف ہے کہ ہم اپنے ابتدائی جواب میں ان لوگوں کی طرف سے پیش کی جانے والی نصوص اور مستند احادیث پر ان کے شبہات کو مکمل طور پر کمزور ثابت کرنے سے قبل، ان کو بے وقوف ہونے کا طعنہ دیں یا حکومت کے ساتھ ان کے مشتبہ تعلقات کو بے نقاب کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جھوٹ کی پیروی کرنے والے اکثر ان نصوص کے احترام کے جذبے سے ہی ان کی باتوں میں آجاتے ہیں، خواہ یہ سب ان کے خواہشات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے یہ طریقہ ٹھیک نہیں کہ قرآنی آیات اور نصوص کو پڑھے بغیر اور ان کے مدلولات کو ڈھونڈے بغیر ان سے بات چیت کی جائے، ہم نہیں چاہتے کہ ہم انہیں یہ ڈھنڈورا پیٹنے کا موقع دیں کہ وحی کی پابندی کرنے میں وہ ان لوگوں سے زیادہ سخت ہیں جو ان کو ناپسند کرتے ہیں اور عقل کو دلیل پر مقدم رکھتے ہیں!!

جن نصوص اور مسائل کی بنیاد پر یہ لوگ اپنے شبہات تراشتے ہیں، اگر ہم ان کو سامنے رکھیں تو ان کا محور مندرجہ ذیل دو امور ہیں:

1)وہ نصوص جو اُولوالاَمر کی اطاعت کو واجب قرار دیتی ہیں۔ ان کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے۔

2)احادیث منازعہ: بخاری نے حضرت عبادۃ بن الصامتؓ کی حدیث روایت کی ہے: "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اُولوالامر کے ساتھ اس کے منصب میں نزاع نہیں کریں گے، مگر جب تک کہ تم ان سے کفر بواح (واضح کفر) نہ دیکھ لو، جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کوئی واضح دلیل تمہارے پاس ہو اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں ملامتیوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے" (اخرجہ بخاری ومسلم واحمد وطبرانی وغیرھم)۔

حالانکہ یہ لوگ (**كفرا بواحًا**)۔۔۔۔کا مطلب و معنی سمجھتے ہیں، یعنی حکمران کا کفر)

3)احادیث مُنابذہ: صحیح مسلم میں عوف بن مالکؓ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث نقل کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: "تمہارے بہترین امام وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں۔ وہ تمہارے لیے دعائیں کریں اور تم ان کے لیے دعائیں کرو۔ اور تمہارے بدترین امام وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں۔ تم ان پر لعنتیں بھیجو اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں"۔

4)سلطان متغلب کی اطاعت کا مسئلہ

جب میں نے نصوص کے استعمال سے متعلق ان کا طریقہ کار معلوم کرنے کی جستجو کی اور امکانی غلطی تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے اس تاریک شبہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کیا تو اللہ کی توفیق سے میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ فقہی اجتہاد کے تینوں مراحل میں غلطی کر رہے ہیں:

فہم الواقع (حقیقت حال کا درست علم)، یا جس کو تحقیق المناط کہتے ہیں۔

متعلقہ نصوص کا استحضار۔ یعنی اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے متعلقہ نصوص کا مطالعہ کرنا کہ ان میں کوئی تعارض (Contradiction) تو نہیں، نیز تعارض کے وقت اصول الفقہ کا استعمال۔

واقع پر نصوص کو منطبق کرنا۔

اب ہم ایک ایک نکتے پر بات کرتے ہیں۔

تحقیق المناط یا فہم واقع میں غلطی:

شاید تحقیق المناط ہی سب سے زیادہ پُرخطر مرحلہ ہوتا ہے، اور فقط اس معاملے میں غلطی کی نشاندہی ان کے شبہات کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے کافی ہے۔

وہ اولوالامر کون ہیں کہ جن کی اطاعت فرض ہے؟

اولوالامر کے شرعی معنی:

اولوالامر سے مراد امت کے امور میں اختیار کے حامل لوگ ہیں، جو شرعی طور پر پوری امت کے امور سنبھالتے ہیں، اور امت کی قیادت ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

اولوالامر کی اصطلاح اسلامی شریعت میں استعمال ہوئی ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے: **((ثلاث خصال، لايغل عليهن قلب مسلم أبدًا: إخلاص العمل لله، ومناصحة ولاة**

الأمر، ولزوم الجماعة)) "تین خصلتیں ایسی ہیں جن میں مسلمان کا دل کبھی بھی خیانت نہیں کرتا: خالص اللہ کے لیے عمل کرنا، اہل اقتدار (ولاۃ الامر) کی خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا"۔

اس اصطلاح کے معانی قبیلہ بنی عامر پر رسول اللہ ﷺ کے اپنے آپ کو پیش کرنے کے واقعے سے صاف ظاہر ہیں، ابن ہشام کے مطابق قبیلہ بنی عامر بن صعصعہ کے ایک آدمی بیحرۃ بن فراس نے کہا: (أرأيت إن نحن بايعناك على **أمرك**، ثم أظهرك الله على من خالفك، أيكون لنا **الأمر** من بعدك؟ قال: **"الأمر إلى الله يضعه حيث يشاء"**، قال: فقال له: أفتهدف نحورنا للعرب دونك، فإذا أظهرك الله كان **الأمر** لغيرنا، لا حاجة لنا **بأمرك**، فأبوا عليه.) "آپ کیا کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے 'امر' (حکومت) پر آپ کی بیعت کر لیں، اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مخالفوں پر فتح عطا فرمادے تو کیا آپ کے بعد یہ 'امر' (یعنی حکومت) ہمیں ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "'امر' (حکمرانی) اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے اسے سونپ دے۔ اس پر اس شخص نے کہا: کیا ہم آپ کے لیے عربوں کے تیروں سے اپنے سینے چھلنی کرائیں اور پھر جب آپ کامیاب ہو جائیں تو حکمرانی ہمارے علاوہ کسی اور کو ملے؟ نہیں ہمیں آپ کے 'امر' کی کوئی ضرورت نہیں"۔

چنانچہ بیعت دینے سے انکار کیا۔ یہ معلوم ہے کہ اس روایت میں امر سے مراد حکومت واقتدار ہی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ بنی عامر کے انکار کے بعد انصار نے اس امارت کو بغیر کسی شرط کے قبول کر لیا، مثلاً مدینہ میں اس کا قیام ہونا چاہیے، ایسی کوئی شرط عائد نہیں کی۔

یہ بات اس حدیث سے میں بھی واضح ہے جس میں بڑی خوشخبری دی گئی ہے **((ليبلغنّ هذا الأمر ما بلغ الليل والنهار، ولا يترك الله بيتَ مَدَرٍ ولا وبَر، إلا أدخَله اللهِ هذا الدين بعزِّ عزيز أو بذلِّ ذليلٍ، عزًّا يُعِزُّ الله به الإسلامَ، وذلًّا يُذِلُّ الله به الكفر))** "یہ امر (دین) وہاں تک پہنچے گا جہاں تک رات اور دن پہنچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی مٹی کے گھر یا اون کے خیمے کو ایسا نہیں چھوڑے گا جس میں اس کو داخل نہ کر دے، عزت والے کی عزت اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ،

بعض اہلِ علم اس طرف گئے ہیں کہ اولوالامر سے مراد علماء ہیں، مگر باریک نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی اطاعت نہیں کی جاتی ہے بلکہ اتباع یا تقلید کی جاتی ہے، اور اس کی اطاعت اس طرح لازم نہیں جس طرح اختیار کردہ احکام یا جاری کردہ قوانین میں امیر (اسلامی حکمران) کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

عزت اسلام کو ملے گی اور ذلت ورسوائی کفر کو ملے گی"۔ (اس کو امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور الحاکم اور علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے)

اور اللہ تعالیٰ کا قول: **(يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ)** "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول (ﷺ) کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں، اُن کی بھی" (النساء: 59)، ابو ہریرہ اور ابن عباسؓ کے بشمول سلف کے مجموعے کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں الوالامر سے مراد اُمراء ہی ہیں، اسی کو امام طبری اور النووی نے ترجیح دی ہے، یہی جمہور سلف وخلف کا قول ہے۔

بعض اہلِ علم اس طرف گئے ہیں کہ اولوالامر سے مراد علماء ہیں، مگر باریک نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی اطاعت نہیں کی جاتی ہے بلکہ اتباع یا تقلید کی جاتی ہے، اور اس کی اطاعت اس طرح لازم نہیں جس طرح اختیار کردہ احکام یا جاری کردہ قوانین میں امیر (اسلامی حکمران) کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔

اس بنا پر مسلمانوں کے اولوالامر جن کی اطاعت فرض ہے وہ ہیں جن کو مسلمانوں کے دین کا معاملہ سپرد کیا جائے؛ کیونکہ دین ہی مسلمانوں کا کام ہے، ان کا دین کے سوا کوئی اور کام ہے ہی نہیں، اسی دین کی وجہ سے وہ تمام لوگوں سے الگ ایک امت بنتے ہیں، اسی بنیاد پر ان کی تہذیبی تشخص کو وجود ملا ہے، اور اسی کے ذریعے ان کا سیاسی وجود ابھرا ہے۔ جبکہ کسی اور معاملے کے اختیارات رکھنے والے مثلاً سیکولر آئینی نظام کے ذریعے حکمرانی کرنے والا، یا مغربی لبرل جمہوری نظام کے ذریعے حکمرانی کرنے والا، یا قومی اشتراکی افکار کی بنیاد پر حکومت کرنے والا غرض اسلامی نظام کے علاوہ کسی بھی نظام کے ذریعے حکومت کرنے والا، جو بھی ہو وہ اپنے معاملے کا سرپرست ہے، مسلمانوں کے معاملے کا سرپرست نہیں، یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس قول کے تحت داخل ہے: **(وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا)** "اور جو شخص ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے، جو اس

نے خود اپنایا ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے" (النساء: 115)۔

ان کو کس طرح امتِ مسلمہ کا ولی الامر سمجھا جائے جبکہ کام وہ کسی اور کا کرتے ہیں۔

یہاں سے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کا رسول ﷺ یا معتمد اور ثقہ فقہاء جب "ولی الامر"، "امام" یا "خلیفہ" یا اس سے ملتے جلتے ناموں کا اطلاق کریں تو اس سے مراد امیر اور شرعی امام ہوتا ہے جس میں شرعی صفات کامل طور پر موجود ہوں۔ یہ جائز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر یہ گمان کیا جائے کہ ان الفاظ سے جب یہ مطلق بولے جائیں، ان کی مراد کفر کے امام، فاسق و فاجر اور بدکار سلاطین یا اتھارٹی کو غصب کرنے والے یا دیگر مجرمین ہیں۔ جہاں تک ان شرعی صفات کا تعلق ہے جو مسلمانوں کا امام یا شرعی امیر بننے کے لیے ایک حکمران کے اندر پورے کے پورے موجود ہونا ضروری ہے، وہ دو ہیں:

1-حاکم کا شرعی حاکم ہونا: یہ اس طرح ہوتا ہے کہ حکمران کے اندر انعقاد کے مطلوبہ شرائط پائی جاتی ہوں، یعنی وہ مرد، مسلمان، بالغ، عاقل آزاد اور عادل ہو، اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے رضامندی اور بغیر کسی مجبوری کے اس کو شرعی بیعت دی جائے۔

اگر ان شرائط میں کوئی خلل ہو یا حکمران کفریہ نظام کی بنیاد پر اقتدار حاصل کرے یا خالص جمہوری انتخابات کی بنیاد پر یا نظام تو اسلامی ہو مگر وہ غاصبانہ طریقے سے اتھارٹی چھین لے، ایسا حاکم غیر شرعی ہو گا۔

2-نظام کا شرعی ہونا: یہ اس طرح ہوتا ہے کہ نظام اسلامی ہو جس کے ذریعے ریاست کے اندر شرع کو نافذ کیا جائے یعنی نظام شرع کی بالادستی اور حاکمیت ثابت کرتا ہو۔ اسی طرح ریاست کے اندر حکمرانی اور اتھارٹی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور عالمی تعلقات میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی ضمانت دے۔ یعنی اسلامی ریاست ایک خود مختار ریاست ہو جو عالمی معنی کے اعتبار سے اتھارٹی کی حامل ہو یعنی مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہو، پس یہ جائز نہیں کہ اسلامی ریاست استعماری کالونی بنی رہے یا کفار کی طرف سے اس کو تحفظ دیا گیا ہو یا اس جیسے اختیار کے منافی امور، حاصل یہ کہ "دار" کا دار الاسلام ہونا ضروری ہے اور یہ ہر گز جائز نہیں کہ یہ دار الکفر ہو یا دار الکفر کا پہلو لیے ہوئے ہو۔

نظام کا شرعی ہونا، یہ اس طرح ہوتا ہے کہ نظام اسلامی ہو جس کے ذریعے ریاست کے اندر شرع کو نافذ کیا جائے یعنی نظام شرع کی بالادستی اور حاکمیت ثابت کرتا ہو۔ اسی طرح ریاست کے اندر حکمرانی اور اتھارٹی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو اور عالمی تعلقات میں اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی ضمانت دے۔ یعنی اسلامی ریاست ایک خود مختار ریاست ہو جو عالمی معنی کے اعتبار سے اتھارٹی کی حامل ہو یعنی مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہو

ان شرائط کا ہونا تحقیق المناط کہلاتا ہے، آج کے حکمرانوں کے حوالے سے تحقیق المناط کی جانکاری سے بنا کسی شک و شبہے کے واضح ہوتا ہے کہ آج کے حکمران:

- طاقت کے بل بوتے پر یا وراثت کی بنیاد پر حکومت پر تسلط حاصل کرتے ہیں، باوجودیکہ ان کے خلاف عوام اپنے غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہیں۔
- جس کا انتخاب ہو جائے یا بیعت بھی ہو جائے تو یہ بیعت مروجہ دستور کی پابندی پر طے ہوتی ہے۔
- یہ حکمران انسانی قوانین کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں جن کی رو سے اسلام بھی ایک سرچشمۂ قانون کی حیثیت رکھتا ہے، نہ کہ واحد سرچشمہ قانون۔ یہ قانون سازیاں کفر بواح ہیں، اس کے ساتھ وہ عالمی قوانین کے ذریعے بھی فیصلے کرواتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں یا شرع کے خلاف ہیں، جیسے اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل۔
- آج کے تمام حکمران فاسق یا کافر ہیں چنانچہ عادل ہونے کی شرط پر پورا نہیں اترتے، اس لیے ان کی بیعت منعقد ہی نہیں ہوتی۔

اس بنا پر ولی الامر کی اطاعت والے نصوص تک اونچی چھلانگ مارنے سے قبل اولاً اس کی تحقیق ضروری ہے کہ کیا ہمارے آج کے حکمران اس منصب کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟

حکمران کے شرعی ہونے کی جو شرائط ما قبل میں ذکر کیے گئے، ان کی بنا پر آج روئے زمین پر مطلقاً کوئی شرعی ولی

بقیہ صفحہ 3 پر

عمران خان بی جے پی کی فتح کے خواہشمند ہیں اور اُس کی مدد بھی کررہے ہیں

پریس نوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

23 مئی 2019 کو بھارتی انتخابات اختتام پزیر ہونے ہیں لیکن اُس سے پہلے ہی عمران خان نے اس خواہش کا اظہار کر دیا کہ وہ کشمیر کے مسئلے پر ہندو ریاست کے حکمران مودی سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ 10 اپریل 2019 کو شائع ہونے والے انٹرویو میں عمران خان نے بی بی سی کے نمائندے جون سیمپسن کو بتایا کہ مسئلہ کشمیر کا "حل ہونا لازمی ہے" اور "اسے اس طرح ابلتے رہنے کے لیے نہیں چھوڑا جاسکتا"۔ اس سے قبل 9 اپریل 2019 کو عمران خان نے یہ کہا کہ مودی کی جماعت بی جے پی کی جیت کی صورت میں کشمیر پر بات چیت کے زیادہ امکانات ہیں۔ عمران خان نے رائٹرز کو بتایا کہ، "اگر بی جے پی، جو کہ دائیں بازو کی جماعت ہے، جیت جائے تو کشمیر کے کسی حل پر پہنچا جاسکتا ہے"۔ آخر مودی ہے کون جس کے متعلق عمران خان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ایک موزوں شخصیت ہے؟ مودی اُس وقت بھارتی صوبہ گجرات کا وزیر اعلیٰ تھا جب 2002 میں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا جو کہ بھارتی تاریخ کا بدترین قتل عام تھا جس میں دو ہزار سے زائد مسلمان شہید کیے گئے۔ اور آج جب یہ مودی ہندو ریاست کا وزیر اعظم ہے تو مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں کو پیلٹ گن سے نشانہ بنا کر اندھا کیا جارہا ہے۔ مودی نے انتخابات جیتنے کے لیے پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی اور لائن آف کنٹرول پر مسلسل فائرنگ اور گولہ باری کررہا ہے جس میں آئے روز افواج پاکستان کے جوان اور پاکستان کے شہری شہید اور زخمی ہورہے ہیں۔ اور یہ مودی ہی ہے جس نے 8 اپریل 2019 کو یہ اعلان کیا کہ اگر وہ اقتدار میں آگیا تو بھارتی آئین میں مقبوضہ کشمیر کو جو خصوصی حیثیت دی گئی ہے اسے ختم کر دے گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عمران خان یہ سمجھتے ہیں مودی کے ساتھ بات چیت کر کے مسئلہ کشمیر حل ہوسکتا ہے جبکہ اقتدار میں آنے سے پہلے وہ یہ کہتے نہیں تھکتے تھے کہ جو مودی کا یار ہے وہ غدار ہے۔ کیا محمد بن قاسمؒ نے مظلوم مسلمانوں کی قسمت کے فیصلے کے لیے مسلمانوں پر ظلم کرنے والے راجہ داہر سے مذاکرات کئے تھے؟

اے پاکستان کے مسلمانو اور خصوصاً ان کی افواج!

عمران خان اُس ہندو قیادت کے ساتھ مصالحت اور سمجھوتے کی راہ پر چل رہے ہیں جس کی مسلم دشمنی پوری دنیا پر واضح ہے۔ عمران خان ہمارے دین کے تقاضوں کو پسِ پشت ڈال کر مودی کو واپس اقتدار میں لانے کے لیے مدد فراہم کر رہے ہیں۔ عمران نے بھارتی لڑاکا طیارے کے پائیلٹ، ابھینندن، کو اتنی پھرتی سے ،فوری طور پر مودی کے حوالے کردیا کہ پوری قوم حیران وپریشان ہوگئی جس کو مودی نے اپنی کامیابی کے طور پر استعمال کیا۔ باجوہ-عمران حکومت "تحمل" کی پالیسی پر عمل کرتی ہے جبکہ مودی انتخابات میں جیت کو یقینی بنانے کے لیے آزاد کشمیر میں ہماری افواج اور شہریوں کو مسلسل نشانہ بنارہا ہے۔ باجوہ-عمران حکومت ہندو مشرکین کے سامنے جھکی جارہی ہے جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا،

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا

"(اے پیغمبر ﷺ!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں" (المائدہ 5:82)۔

باجوہ-عمران حکومت ہندو مشرکین کے ساتھ بات چیت کی صورت میں ہمیں امن اور خوشحالی کا یقین دلا رہی ہے جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا،

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلاَ الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

"جو لوگ کافر ہیں، اہل کتاب یا مشرک وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے خیر (وبرکت) نازل ہو۔ اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرلیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے" (البقرۃ 2:105)۔

بہت برداشت کرلیا ایسی بزدل، کمزور اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمان حکومت کو جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر اس کی نافرمانی کی راہ پر چل رہی ہے۔ مقبوضہ کشمیر ویسے ہی آزاد ہوگا جیسے پہلے جہاد کے ذریعے موجودہ آزاد کشمیر کو آزاد کرایا گیا تھا۔ اور یہ صرف نبوت کے طریقے پر خلافت ہی ہوگی جو ہماری باصلاحیت اور شہادت کی آرزو رکھنے والی افواج کو مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی فیصلہ کن جنگ کے لیے میدان میں اتارے گی۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

ختم شد

پاکستان کی معیشت زمین بوس ہو رہی ہے مگر حکمران عوام کے سامنے اس کی بہتری کے جھوٹے دعوے کر رہے ہیں

پریس نوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

31مارچ 2019 کو وفاقی وزیر مملکت برائے محصولات حماد اظہر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا جس کا عنوان تھا: "بحال ہوتی معیشت: نقصان کا ازالہ کرنا"۔ اس مضمون سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ موجودہ حکمران آئی ایم ایف کی ہدایت پر عمل کر کے ان پالیسیوں کو نافذ کر رہے ہیں جنہوں نے ہماری معیشت کو پچھلی تین دہائیوں میں شدید نقصان پہنچایا ہے۔ معیشت کی موجودہ بدحالی اور شدید بحران کی وجہ صرف بدترین کرپشن نہیں ہے بلکہ معیشت کی بدحالی کی اصل وجہ سرمایہ رانہ نظام اور استعماری پالیسیاں ہیں۔ استعماری آلہ کار، آئی ایم ایف، کی ہدایات پر مبنی پالیسیاں ملکی معیشت کی قیمت پر غیر ملکی استعماری طاقتوں اور پاکستان کی قیادت میں موجود ان کے کرپٹ شراکت داروں کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ روپے کی قدر میں کمی کی آئی ایم ایف کی ہدایت ہمیں استعماری طاقتوں کو معاشی میدان میں چیلنج کرنے سے روکتی ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں مہنگائی کا زبردست طوفان برپا ہو جاتا ہے اور پیداواری لاگت بڑھ جانے سے مقامی صنعتی اور زرعی پیداواری صلاحیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ نجکاری کے عمل کو تیز کرنے کی آئی ایم ایف کی ہدایت غیر ملکی استعماری کمپنیوں اور مقامی کرپٹ قیادت کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ ہمارے محاصل کے ذرائع، جیسا کہ گیس اور بجلی کے مالک بن جائیں۔ توانائی کی قیمت میں اضافے کی آئی ایم ایف کی ہدایت بجلی و گیس کی کمپنیوں کے غیر ملکی استعماری اور مقامی مالکان کو یہ موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ اپنے منافع میں مسلسل اور یقینی اضافہ کرتے رہیں اگرچہ اس کے باعث مقامی صنعت اور زراعت مزید مفلوج ہو جائے۔ آئی ایم ایف کی ہدایت پر مزید ٹیکس لگانے سے لوگوں کی قوت خرید متاثر ہوتی ہے جو مقامی صنعت اور زراعت کے لیے ایک اور شدید دھچکے کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا ہر حکومت کے دور میں غیر ملکی استعماری اور مقامی کرپٹ اشرافیہ سرمایہ درانہ نظام کے نفاذ کے ذریعے ہماری خون پسینے کی کمائی کو لوٹ کر امیر سے امیر تر ہوئے ہیں۔

اے پاکستان کے مسلمانو!

موجودہ قیادت ہمیں تبدیلی کے جھوٹے خواب دکھا کر اقتدار میں آئی تھی۔ اب وہ اقتدار میں رہنے کے لیے ہمیں معاشی بحالی کے جھوٹے خواب دکھا رہی ہے۔ اسلام کے مکمل نفاذ سے کم کوئی بھی قدم پاکستان کی معیشت کو مزید تباہ ہونے سے نہیں بچا سکے گا۔ خلافت آئی ایم ایف کو مکمل طور پر مسترد کر دے گی۔ وہ اس کی رکنیت، اس کے قرضوں، سود اور آئی ایم ایف کی تباہ کن شرائط کو مسترد کر دے گی جو ہماری کمر توڑنے کا باعث ہیں۔ خلافت یہ تمام اقدامات اس لیے کرے گی کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا حکم ہے، **قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** "وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام" (البقرۃ 2:275)، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، **«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»** "نہ نقصان اپنانا جائز ہے نہ نقصان پہنچانا جائز ہے" (موطا ابن مالک، ابن ماجہ)۔ خلافت توانائی اور معدنیات سے متعلق اسلام کے حکم کو نافذ کرے گی کہ یہ عوامی ملکیت ہیں جن کی نگرانی ریاست کرتی ہے اور وہ اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ ان سے حاصل ہونے والا تمام کا تمام فائدہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہو نہ کہ ان وسائل کی نجکاری کر کے چند افراد کو ان وسائل سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ خلافت یہ قدم اس لیے اٹھائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ»** "تین چیزوں میں مسلمان شراکت دار ہیں: پانی، چراہ گاہیں اور آگ (توانائی)" (احمد)۔

خلافت محاصل کو جمع کرنے کے حوالے سے اسلام کے احکامات کو نافذ کرے گی جیسے تجارتی اشیاء پر زکوۃ اور زرعی زمین پر خراج اور خلافت ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ کر دے گی جیسا کہ جنرل سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کیونکہ ان کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اور ایسا کرنا نجی ملکیت پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ** " مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں، اس کا خون، مال، عزت و آبرو"۔ اور خلافت دوران حکمرانی حکمرانوں کی دولت میں ہونے والے غیر معمولی اضافے کے حوالے سے اسلام کے حکم کو نافذ کرے گی جو یہ ہے کہ ایسی دولت غیر قانونی ہے اور اس کو قبضے میں لے کر ریاست کے خزانے میں جمع کرایا جائے گا۔ خلافت یہ قدم اس لیے اٹھائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،

مَن اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا أَخَذَ بَعْدَ ذَلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ

"ہم جس کو کسی کام کا عامل بنائیں اور اس کی کچھ روزی (تنخواہ) مقرر کر دیں پھر وہ اپنے مقررہ حصے سے جو زیادہ لے گا تو وہ خیانت ہے"۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

ختم شد

سوال وجواب: اسلامی لباس جو اسلام نے عورت پر حیاتِ عامہ میں واجب کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حزب التحریر میرے لیے محترم ہے، خصوصاً اس کی کتابوں اور پمفلٹ میں درج آراء کی وحدت جس کی پابندی اس کے ممبران کرتے ہیں۔ ایسی پابندی دیگر اسلامی جماعتوں میں کم ہی ہے، مگر انٹرنیٹ پر موجود حزب کے ممبران کی جلباب پر بحث میری نظر سے گزری؛ کچھ کہہ رہے تھے کہ یہ ایک ہی کپڑا ہے اور کچھ کہہ رہے تھے کہ دو ہیں۔ میرا خیال تھا کہ حزب کی اس پر رائے موجود ہے جس کی اس کے ممبران اتباع کرتے ہیں خصوصاً جب حزب ان اسلامی جماعتوں میں سے ہے جس کا مسلم خواتین میں جلباب کو پھیلانے میں گہرا اثر ہے۔ میرا سوال ہے: کیا حزب نے اپنے ممبران کے لیے حزب کی رائے کی اتباع کرنے کی پالیسی تبدیل کر دی ہے؟ شکریہ۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اولاً جو سوال میں کہا گیا، میں واضح کر دوں کہ حزب کے ذمہ دار ممبران کے لیے حزب کی آراء کی پابندی لازمی ہے اور اس اصول میں کوئی تبدیلی نہیں۔ ان میں اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے: ایک ڈھانپنے والا لباس جو روزمرہ کپڑوں کے اوپر ان کو ڈھانپنے کے لیے پہنا جاتا ہے اور اس کا پاؤں تک ڈھانپنا، کہ پاؤں ڈھک جائیں، لازمی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ حزب کا مسلم خواتین میں جلباب کے فروغ پر گہرا اثر ہے، الحمد اللہ۔ حزب نے خواتین کے اسلامی لباس پر کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" میں باب "خواتین کو دیکھنا" میں اس موضوع پر کافی تفصیل درج کی ہے۔ اسلامی لباس کی شرط یہ ہے کہ ایک خمار اور جلباب ہو جو تبرج کے بغیر ستر کو ڈھانپ لے یعنی خواتین کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی لباس میں جو ستر ڈھانپے، باہر جائیں، بلکہ وہ مخصوص لباس پہن کر ہی باہر جاسکتی ہیں جو شریعت نے بیان کیا ہے۔ مندرجہ بالا نکات کی تفصیلات یہ ہیں:

1۔ "اسلامی کے معاشرتی نظام" میں یہ درج ہے کہ خواتین کا حیاتِ عامہ (گھر سے باہر) میں اسلامی لباس جلباب اور خمار ہے جو ستر کو تبرج کے بغیر ڈھانپے۔ اس میں کچھ جو معاشرتی نظام میں اس موضوع پر آیا، وہ بیان کرتا ہوں۔

"اس کی دلیل کہ شارع نے جلد کی رنگت کے ڈھانپنے کو فرض قرار دیا ہے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: **«لم يَصلُحْ أن يُرى منها»"۔۔۔یہ درست نہیں کہ اس کا کچھ بھی نظر آئے۔**" اس حدیث سے دلیل واضح ہوئی کہ شارع نے شرط یہ رکھی ہے کہ عورت کا ستر کامل چھپے اور اس کے پار نظر نہ آئے اور عورت کے لئے لازم ہے کہ وہ ایسا کپڑا استعمال کرے جس سے اندرونی حصہ نظر نہ آئے۔ یہ بحث ستر کو چھپانے کے حوالہ سے ہوئی، تاہم یہ صحیح نہیں کہ اس موضوع کو عورت کے گھر سے باہر عام زندگی میں لباس سے یا تبرج کے لباس سے خلط ملط کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر کسی لباس سے ستر ڈھک رہا ہو تو اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ وہ عورت فقط اتنے پر اکتفا کرتے ہوئے عام سڑکوں پر نکل جائے۔ ایسے مقام یعنی گھر سے باہر کے لئے شریعت نے مخصوص لباس متعین کیا ہے اور محض ستر کے چھپا لینے کو کافی قرار نہیں دیا۔ مثلاً پاجامہ، شلوار وغیرہ سے ستر چھپ جاتا ہے لیکن گھر سے باہر عام زندگی کے لئے یہ کافی نہیں، اس کے لئے شریعت نے مخصوص لباس طے کر دیا ہے۔

جہاں تک حیاتِ عامہ میں (گھر سے باہر)
عورت کے لباس کا تعلق ہے، تو شارع نے اُس پر یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ بازار یا عام شاہراہوں پر جاتے وقت اپنے لباس کے اوپر ایک چادر یا جلباب پہنے جس سے اُس کا گھریلو لباس ڈھک جائے اور یہ جلباب اُس کے پیروں تک پہنچتا ہو جس سے قدم بھی ڈھک جائیں، اور اگر عورت کو ایسا جلباب میسّر نہ ہو تو وہ اپنی پڑوسن، سہیلی یا کسی رشتہ دار سے مستعار لے۔ مزید یہ کہ اگر اسے ایسا جلباب اُدھار بھی دستیاب نہ ہو تو اُس کے لئے اس کے بغیر گھر سے نکلنا صحیح نہیں اور اگر وہ اس جلباب کے بغیر گھر سے باہر جائے تو وہ گنہگار ہوگی کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فرض کو ترک

کیا۔ یہ بات عورت کے جسم کے نچلے حصے کے لباس کے حوالے سے ہوئی۔ جہاں تک جسم کے بالائی حصہ کے لباس کا معاملہ ہے تو اس کے سر پر خِمار یا اوڑھنی کا ہونا لازمی ہے جس سے مکمل سر، گلہ یا گردن اور سینہ چھپ جاتے ہوں۔ گھر سے باہر نکلتے وقت لازم ہے کہ عورت اِن کا اہتمام کرے جو اس کے بدن کے بالائی حصے کے لئے لازمی ہیں۔ لباس کے اِن دونوں حصوں کے ساتھ عورت کا گھر سے باہر نکلنا صحیح ہو جاتا ہے اور اِن کے بغیر کسی بھی حالت میں عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا صحیح نہیں رہتا کیونکہ اِن کا حکم عام ہے اور اس حکم کی تخصیص میں کچھ وارد نہیں ہوا۔

اِن دونوں، یعنی بالائی اور نچلے حصے کے لباسوں کے فرض ہونے کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس قول سے ہے: **(وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ)** "اور اوڑھے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے" (سورۃ النّور: 31)۔ اور جسم کے بالائی حصہ کو ڈھانکنے کے حوالے سے فرمایا: **(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاء الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ)** "اے نبی ﷺ! کہ دو اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر پوری طرح لٹکا لیا کریں" (سورۃ الاحزاب: 59)۔ اِن آیات کے علاوہ امّ عطیہ سے مسلم میں مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ: **(أمرنا رسول الله أن نخرجهن في الفطر والأضحى، العواتق والحيّض وذوات الخدور، فأما الحيّض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير، ودعوة المسلمين. قلت يا رسول الله إحدانا لا يكون لها جلباب، قال: لتلبسها أختها من جلبابها)** "کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ دونوں عیدوں کے موقعوں پر کنواری جوان لڑکیوں، حائضہ عورتوں اور باپردہ عورتوں کو گھروں سے باہر لایا جائے؛ حائضہ عورتیں نماز نہ پڑھیں لیکن کارِ خیر اور مسلمانوں کی دعوت میں شرکت کریں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ، ہم میں سے بعض کے پاس جلباب (چادر) نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی بہن سے اُدھار لے لے"۔

اِن دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ گھریلو زندگی سے باہر حیاتِ عامہ میں عورت کا لباس کیا ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے نہایت باریکی، وضاحت اور جامعیت سے بیان فرما دیا کہ حیاتِ عامہ میں خواتین کس قسم کا لباس زیبِ تن رکھیں اور وہ یہ کہ جسم کے بالائی حصہ کے لئے کیا پہنیں، فرمایا: **(وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ)** "اور اوڑھے رکھیں اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر" (سورۃ النّور: 31) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کے بالائی حصہ پر اوڑھنیاں ڈالیں جس سے سر، گردن اور سینہ ڈھک جائے، اور جسم کے نچلے حصے کے بارے میں حکم دیا: **(يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ)** "اپنے اوپر چادر پوری طرح لٹکا لیا کریں" (سورۃ الاحزاب: 59)۔ اس کا مطلب ہے جب گھر سے باہر جائیں تو اپنے لباس کے اوپر اس طرح چادر نما کپڑا ڈال لیں کہ نیچے پیروں تک پہنچ جاتا ہو۔ جہاں تک یہ لباس کس قسم کا ہونا چاہیے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: **(وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا)** "اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے" (سورۃ النّور: 31)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جسم کی زینت جو مثلاً کانوں، ہاتھوں اور پیر کی پنڈلیوں وغیرہ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ چھپ جائے سوائے اس کے جو، اِس آیت کی رُو سے، عموماً ظاہر رہتی تھی یعنی ہاتھ اور چہرہ۔ اِس بات کو نہایت تفصیل سے بیان کر دینے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ خانگی زندگی کے باہر عورت کا لباس کیا ہونا چاہئے۔ امّ عطیہ سے مروی حدیث نہایت صراحت سے واضح کرتی ہے کہ عورت کے لئے گھر سے باہر جاتے وقت ایسا جلباب کا پہننا لازمی ہے جس سے اُس کا گھریلو لباس ڈھک جاتا ہو۔ جب اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ عورت کیا کرے جسے ایسا جلباب میسر نہ ہو تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ اپنی بہن سے مستعار لے کر پہن لے۔ یعنی ایسا لباس نہ ہونے کی شکل میں حکم یہ ہے کہ کسی سے اُدھار لے کر پہنا جائے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر اُدھار بھی نہ مل سکتا ہو تو پھر عورت کے لئے باہر نکلنا ہی درست نہیں رہا۔ یہ اِس بات پر قرینہ ہوا کہ اِس حدیث کا حکم فرض کی حیثیت رکھتا ہے، للہٰذا گھر سے باہر جاتے وقت عورت کے لئے یہ فرض ہوا کہ وہ اپنے عام لباس اور اگر وہ نہ پہنے تو باہر نہ کے اوپر جلباب پہنا کرے۔ جائے۔

جلباب کے لئے لازمی ہے کہ یہ جسم کے نچلے حصے تک پہنچے اور قدموں کو چھپا لے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **(يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ) کہ عورتیں اپنے اوپر چادر لٹکا لیا کریں،** (سورۃ الاحزاب: 59)۔ یعنی وہ اپنے جلباب، اپنے اوپر لٹکتے ہوئے پوری طرح اوڑھ لیں۔

یہاں یہ یاد رہے کہ آیت میں لفظ **مِنْ** تبعیضیہ (partative) نہیں یعنی اس سے مراد کل کا جزو نہیں بلکہ یہ من بیانیہ (explanatory) ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنی چادر کو اوڑھ کر اسے نیچے تک لائیں (نہ کہ وہ اپنے جسم کے کچھ حصے پر چادر لٹکالیں) جیسا ابن عمرؓ سے ترمذی میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ فَكَيْفَ يَصْنَعْنَ النِّسَاءُ بِذُيُولِهِنَّ قَالَ يُرْخِينَ شِبْرًا فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِينَهُ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ»** **"جو کوئی فخر و تکبر سے اپنا لباس اپنے پیچھے زمین پر گھسیٹتا ہوا رکھے، اللہ تعالیٰ روز قیامت اُس کی جانب اپنی نظر کرم نہ فرمائے گا۔ اِس پر اُمّ سلمہ نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے لباس کے کناروں کا کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک بالشت تک لٹکالیں۔ اِس پر اُمّ سلمہ نے پھر عرض کیا کہ اس طرح تو اُن کے قدم ظاہر ہوں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایک بازو بڑھالیں لیکن اِس سے زیادہ نہیں"**۔ یہ حدیث ترمذی نے روایت کی اور حسن صحیح ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کپڑا جو اپنے عام لباس کے اوپر پہنا جائے، وہ نیچے تک پہنچے اور قدموں کو ڈھک لے اور اگر قدم موزوں یا جوتوں سے چھپے ہوئے ہوں تو یہ فعل اس حکم کا نعم البدل نہیں ہو گا اور اِس اوپری لباس کا نیچے تک لٹکنا لازمی باقی رہے گا، البتہ اگر جوتے یا موزوں سے قدم چھپے ہوں پھر اس اوپری لباس سے قدموں کا مزید ڈھکنا ضروری نہیں تاہم لازمی ہے کہ اوپری لباس کا نیچے تک پہنچنا نظر آتا ہو تاکہ یہ پہچان ہو سکے کہ یہ لباس گھر سے باہر نکلتے وقت پہننے کا لباس ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اُس حکم کی رعایت ہوتی ہو جو سورۃ الاحزاب میں دیا، یعنی **(يُدْنِينَ)** یعنی کہ **عورتیں اپنے اوپر چادر پوری طرح لٹکالیا کریں۔**

اِن تمام سے واضح ہوا کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کے لئے اپنے عمومی گھریلو لباس کے اوپر ایک ڈِھیلا لباس یا جلباب پہننا لازمی ہے، اور اگر اس کے پاس ایسا لباس دستیاب نہ ہو اور اسے گھر سے باہر جانا ہو، تو یہ ضروری ہے کہ وہ ایسا لباس اپنی بہن یعنی مسلمان خاتون سے اُدھار لے کر پہن لے۔ پھر اگر ایسا لباس اسے مستعار بھی میسر نہ آئے تو وہ گھر کے باہر اُس وقت تک نہ جائے جب تک ایسا جلباب اسے نہ مل جائے۔ اور اگر وہ اپنا پورا ستر چھپا کر لیکن اس کے اوپر جلباب پہنے بغیر گھر کے باہر نکلے، تو وہ گنہگار ہو گی کیونکہ گھر کے باہر جانے کے لئے ایسا ڈھیلا جلباب کا پہننا فرض ہے اور اس کا نہ پہننا اس فرض کی خلاف ورزی ہو گی جو اللہ کے نزدیک گناہ ہے اور ریاستِ اسلامی کی جانب سے اس پر تعزیری سزا ہو گی۔ "**اختتام بیان**

2۔ اوپر درج کیے گئے متن سے یہ واضح ہے کہ اسلامی لباس ستر کو تبرج کے بغیر ڈھانپے، اور اس لباس میں خمار بھی شامل ہو جو بالوں کو ڈھانپے اور یہ خمار گردن اور قمیض کے گلے کو ڈھانپ لے، اور ایک جلباب ہو جو پاؤں تک ڈھانپ لے اور یہ واضح ہے کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے: "عمومی گھریلو لباس کے اوپر ایک ڈِھیلا لباس یا چادر" اور یہ دیکھنے والے کے لیے واضح ہے، ہر دیکھنے اور سمجھنے والا اسے جانتا ہے، متن میں درج ہے کہ:

۔شارع نے خواتین کے لیے لازمی قرار دیا ہے کہ اپنے عام کپڑوں کے اوپر ایک لباس پہنیں۔

۔اور یہ فرض کیا ہے کہ ان کے پاس کپڑوں کو **ڈھانپنے کیلئے ایک چادر** ہو۔

۔اگر ایک عورت اپنے کپڑوں پر لباس (ثوب) پہنے بغیر گھر سے نکلے گی، تو وہ گنہگار ہو گی۔

۔لہٰذا اس سے واضح ہے کہ خواتین کے پاس ایک ڈھیلا ڈھالا لباس (ثوب) ہونا لازمی ہے جو وہ باہر جاتے وقت اپنے کپڑوں پر پہنیں۔

لفظ لباس واحد کے صیغے میں آیا ہے، اور لفظ چادر کو بھی واحد کو طور پر بیان کیا گیا ہے: (کہ اس کے پاس ایک کپڑوں پر پہننے کے لیے ایک لباس ہو۔۔۔ چادر ہو۔ اگر وہ کپڑوں پر کپڑوں پر پہننے کے لیے ایک لباس پہنے بغیر باہر جائے، تو گنہگار ہو گی۔۔۔ باہر جاتے وقت کپڑوں پر پہننے کے لیے ایک لباس ہو۔۔۔ کہ خواتین کے پاس باہر جانے کے لیے کپڑوں پر پہننے کے لیے ایک ڈھیلا ڈھالا لباس ہو۔۔۔) یہ تکرار اس کا ثبوت ہے کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے، یہ ایک ثوب (لباس) ہے جو خواتین اپنے کپڑوں پر پہنتی ہیں۔۔۔ وغیرہ، اور یہ بہت واضح معاملہ ہے۔

مزید وضاحت کیلئے: یہ آیت: **(يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ)** **"عورتیں اپنے اوپر چادر پوری طرح لٹکالیا کریں"** (سورۃ الاحزاب: 59) یہ ظاہر کرتا ہے کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے، حرف **"مِنْ"**

بیان (وضاحت) کے لیے ہے، یعنی جلباب کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں نہ کہ جلباب میں سے کچھ اپنے اوپر لٹکا لیا کریں، جلباب کو لفظ **ادنیٰ** "اس طرح لٹکانا جو پوری طرح ڈھانپ لے" سے جوڑا گیا ہے اور اس کا مطلب ہے کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے جو نیچے تک ڈھانپتا (لٹکتا) ہے، اور **آیت میں استعمال کیے گئے الفاظ کے مطابق یہ دو کپڑے نہیں ہو سکتے**۔ کیونکہ جیسے ہم نے کہا، لٹکے ہوئے انداز سے ڈھانپنا کو جلباب سے جوڑا گیا ہے۔ اگر جلباب دو کپڑے ہوتا تو دونوں کو پیروں تک ڈھانپنا لازمی ہوتا، پھر ایک کے اوپر دوسرا کپڑا ہوتا جو ڈھانپنے کا کام کرتا اور باہر والا کپڑا ہی جلباب ہوتا جو گلے سے پیروں تک ڈھانپتا۔۔۔ لہٰذا لغوی اصطلاح سے اس بات کی تاکید ہو گئی کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے کیونکہ جلباب کو ڈھانپ دینے سے جوڑا گیا ہے۔ فطری طور پر یہ اس میں اضافہ ہے جو ہم نے بیان کیا، یعنی لفظ ثوب کی تکرار۔۔۔ اور جو ہم نے پہلے واضح کیا کہ جلباب ایک ڈھیلا ڈھالا ثوب ہے جو ایک عورت اپنے عام کپڑوں پر پہنتی ہے اور وہ پیروں تک ڈھانپتا ہے۔

۔اسلام نے اسلامی لباس کی تاکید کی ہے اور جلباب کے بغیر عورت کے باہر جانے کی اجازت نہیں دی، اور یہ کہ باہر جانے کیلئے اسے جلباب کسی بہن سے ادھار لینا ہے اگر اس کے پاس موجود نہیں۔ یہ کافی نہیں کہ وہ اپنا ستر کسی بھی لباس سے ڈھانپے سوائے جلباب اور بغیر تبرج خمار کے۔

3۔ یہ حزب کی تبنی شدہ رائے ہے اور ممبران پر اس کی اتباع لازمی ہے اور کسی دوسرے رائے کو قبول نہ کرنا ضروری ہے۔ مگر ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے نے انٹرنیٹ پر مختلف آراء پڑھیں اور گمان کیا کہ یہ ممبران کی آراء ہیں جو کہتے ہیں کہ جلباب دو کپڑوں سے بنتا ہے (قمیض اور شلوار سے یا coatہو ایک قمیض یا شلوار جس کے ساتھ گھٹنوں تک وغیرہ) اور سوچا کہ ممبران میں جلباب پر اختلاف ہے۔ ہم قاری کی غلط فہمی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس نے شاید کسی ایسے شخص کی رائے پڑھ لی جو حزب چھوڑ چکا ہے، یا حزب نے اس کو سزا دی یا کوئی ناقص (جس نے حزب کی قسم توڑی) یا وہ جو دوسروں کو الجھانا پسند کرتا ہے، اور قاری نے یہ سوچا کہ یہ حزب کے ذمہ دار ممبران ہیں، خصوصاً جب ہم ان لوگوں کا منصب عام نہیں کرتے سوائے مخصوص حالات کے۔ لہٰذا انٹرنیٹ پر قاری الجھن کا شکار ہو سکتا ہے اور یہ سوچ سکتا ہے کہ حزب کے ممبران میں جلباب کے ایک کپڑا یا دو کپڑے ہونے پر اختلاف ہے۔

ہم سوال پوچھنے والے کو تاکیداً بیان کرتے ہیں کہ حزب کے ذمہ دار ممبران میں حزب کی آراء پر کوئی اختلاف نہیں۔ جلباب ایک ہی کپڑا ہے: عورت کے کپڑوں پر لٹک جانے والا لباس جو اوپر پہنا جاتا ہے اور اس کا پیروں تک ڈھانپنا لازمی ہے کہ پیر نہ نظر آئیں۔ جو اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں شاید ان میں سے ہیں جو حزب چھوڑ چکے ہیں، یا سزا پر ہیں یا ناقصین ہیں یا وہ جو الجھن پھیلانا پسند کرتے ہیں! اور وہ باذن اللہ حزب اور اس کے ذمہ دار ممبران کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

میں اسی سے اختتام کروں گا جس سے آغاز ذمہ دار ممبران کے لیے حزب کی کیا: کہ حزب کے آراء کی اتباع لازمی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ ان میں اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جلباب ایک ہی کپڑا ہے: ایک ڈھانپنے والا لباس جو روزمرہ کپڑوں کے اوپر ان کو ڈھانپنے کے لیے پہنا جاتا ہے اور اس کو پاؤں تک لٹکانا کہ پاؤں ڈھک جائیں، لازمی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ حزب کا مسلم خواتین میں جلباب کے فروغ پر گہرا اثر ہے، الحمد اللہ۔ حزب نے خواتین کے اسلامی لباس پر کتاب "اسلام کا معاشرتی نظام" میں باب "خواتین کو دیکھنا" میں اس موضوع پر کافی تفصیل درج کی ہے۔ اسلامی لباس کی شرط یہ ہے کہ ایک خمار اور جلباب ہو جو تبرج کے بغیر ستر کو ڈھانپ لے یعنی خواتین کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی لباس میں جو ستر ڈھانپے، باہر جائیں، بلکہ وہ مخصوص لباس پہن کر ہی باہر جائیں جو شریعت نے بتایا ہے۔

امید ہے کہ یہ جواب یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہو گا کہ جلباب پر حزب کی ایک ہی رائے ہے جیسے اوپر بیان کیا گیا۔

9 محرم الحرام 1440 ہجری

19/9/2018 عیسوی

ختم شد

سوال و جواب: مویشیوں پر زکوٰۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

ہمارے معزز امیر، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

اللہ آپکی کوششوں کو خیر سے شرف بخشے اور آپکے ذریعے فتح اور غلبہ و تمکین عنایت فرمائے۔

کتاب: 'اموال فی دولۃ الخلافۃ' (عربی ایڈیشن صفحہ 153) کے باب: 'مویشیوں پر زکوٰۃ' میں ذکر ہے کہ: "ان مویشیوں پر زکوٰۃ فرض ہے جو قریباً ایک سال سے چر رہے ہوں" 'بھیڑوں پر زکوٰۃ' صفحہ 155 پر لکھا ہے: بھیڑوں پر زکوٰۃ فرض ہے جو سارا سال چر چکی ہوں اگر ان کی تعداد سب سے کم فرض تعداد کے برابر پورا سال تک رہی ہو"۔

سوال یہ ہے کہ: کیا نہ چرنے والی بھیڑوں پر زکوٰۃ نہیں؟ حالانکہ ان پر سال کے بیشتر وقت پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اگر ان پر زکوٰۃ ہے، تو وہ کتنی ہوگی؟

ایک اور سوال، اگر آپ جواب دینا پسند کریں: مویشیوں جیسا کہ چوپائے، بھیڑیں اور اونٹوں پر تو زکوٰۃ ہے مگر پرندوں خاص طور پر مرغیوں پر زکوٰۃ کا ذکر نہیں، جن کو ہزاروں کی تعداد میں جدید پنجروں میں پالا جاتا ہے یا ان کو تجارت کا حصہ سمجھا جاتا ہے؟

میرے سوالوں کے خیر مقدم پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

1۔ جی ہاں، ان بھیڑوں اور مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں جنہیں چارہ مہیا کیا جاتا ہو کیونکہ "چرنا" علت (شرعی وجہ) کے لیے وصف مفہم (reasoned description) ہے۔ اور علمِ فقہ میں مفہوم الصفۃ سے مراد ذاتی صفات میں سے کسی صفت سے حکم کا منسلک ہونا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب صفت موجود نہ ہو تو حکم بھی غیر موجود ہوتا ہے البتہ اس کی شرط یہ کہ وہ صفت ایسا وصف ہو کہ جس کا کوئی مفہوم ہو یعنی یہ وصف علت (شرعی وجہ) کا کام دے اور اگر یہ صفت وصف مفہم نہ ہو تو پھر اس کا کوئی مفہوم نہیں لیا جاتا۔ میں دوبارہ کہہ دوں کہ فقہ میں "مفہوم الصفۃ" کے لیے شرط ہے کہ یہ وصفِ مفہم والی صفت ہو، جیسا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «.. فِي صَدَقَةِ الغَنَمِ فِي سَائِمَتِهَا..» "--- چرنے والی بھیڑ پر زکوٰۃ ہے" (بخاری)۔ یہاں 'بھیڑ' ایک اسم ہے اور اس کی دو صفات ہیں: چراگاہ میں چرنے والی بھیڑ یا جس کو چارا دیا جائے، پس زکوٰۃ چرنے والی بھیڑ پر فرض ہے اور نہ کہ اس پر جسے چارا دیا جائے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ مویشیوں (بھیڑ، چوپائے اور اونٹ) پر زکوٰۃ ہے مگر دوسرے جانور جیسے پرندے اور مرغیوں وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، تو یہ اس وجہ سے ہے کہ نص میں صرف مویشیوں کا ذکر ہے، سو ہم اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں تین نصوص ہیں:

ابوذرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کی: «ما من صاحب إبلٍ، ولا بقرٍ، ولا غنمٍ، لا يؤدي زكاتها، إلاّ جاءت يوم القيامة، أعظم ما كانت، وأسمن، تنطحه بقرونها، وتطؤه بأخفافها» "کوئی ایسا اونٹوں، چوپائیوں یا بھیڑوں کا مالک نہیں جس نے ان پر زکوٰۃ ادا نہ کی ہو اور پھر قیامت کے دن وہ (جانور) اتنے ہی بڑے اور اتنے ہی تیز جتنے وہ کبھی تھے، آئیں گے اور اس کو اپنے سینگوں سے زخمی کریں گے اور اپنے کھروں سے اسے پامال کریں گے" (متفق علیہ)

ابو داؤد نے ابو بکرؓ سے روایت کیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی ایک لمبی حدیث بیان کی کہ آپ ﷺ نے کہا: «... وفي سائمة الغنم إذا كانت أربعين، ففيها شاة...» "چرنے والی بھیڑیں اگر چالیس تک پہنچ جائیں تو ایک بھیڑ زکوٰۃ کے طور پر دی جائے..."

اور علیؓ سے مروی ہے: «ليس في البقر العوامل صدقة» "حل چلانے والے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں" (ابو عبید اور بیہقی نے روایت کیا)

اور عمرو بن دینار نے روایت کیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ بات پہنچی: «ليس في الثور المثيرة صدقة» "ہل چلانے والے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں"(ابو عبید نے روایت کیا)اوراس کو جابر بن عبداللہؓ نے بھی روایت کیا کہ آپ ﷺ نے کہا: «لا صدقة على مثيرة» "ہل چلانے والے چوپائے پر زکوٰۃ نہیں۔"اور اصطلاح 'ہل چلانے والے مویشی' سے مراد وہ جانور ہیں جو زمین کو کھودتے ہیں اور اس کو زراعت کے لیے تیار کرتے ہیں۔

حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں یہ دو صحیح احادیث اخذ کی ہیں جو بھز بن حکیم سے مروی ہیں جنہوں نے اپنے والد کے حوالے سے کہا اور انہوں نے اپنے دادا کے حوالے سے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «في كل إبل سائمة في كل أربعين ابن لبون..» " تمام چرنے والے اونٹوں کے کے متعلق یہ ہے کہ ہر چالیس پر ایک دو سال کا اونٹ(زکوٰۃ کے طور پر دینا ہے)۔۔۔"(حاکم نے روایت کیا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے)۔ "چرنے والے جانور وہ ہیں جو چراہگاہوں اور کھیتوں میں چرتے ہیں، چارہ ڈالے بغیر۔"

بہر حال، جیسا کہ اوپر بیان ہے ان تین پالتو جانوروں کے اوپر زکوٰۃ ادا کی جائے گی چونکہ زکوٰۃ چرنے والے جانوروں پر ہے جو سال کا زیادہ تر حصہ چرتے رہے ہوں۔

نص کے اندر دوسری اقسام کے جانوروں، پرندوں اور سمندری مخلوق کا ذکر نہیں جیسا کہ یہ نص اوپر بیان شدہ پالتو جانوروں کے ذکر پر ہی رک جاتی ہے۔ اور جہاں تک ان جانوروں کا تعلق ہے جو تجارت کے لیے استعمال ہوتے ہیں تو ان پر زکوٰۃ، تجارت کی زکوٰۃ کے مطابق واجب ہے جیسا کہ کتاب الاموال میں اس سے متعلق باب میں واضح کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ: مختلف انواع کے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ماسوائے پالتو جانوروں کہ: جیسا کہ بھیڑیں، گائے اور اونٹ۔ اور جہاں تک تجارت والے جانور کی بات ہے، تو ہر جانور پر زکوٰۃ ہے جو خریدا یا بیچا جائے کیونکہ اس زکوٰۃ کے بارے میں نصوص موجود ہیں کہ ہر سامانِ تجارت پر زکوٰۃ ہے چاہے جو بھی شئے ہو، بیج، کپڑے یا جانور وغیرہ۔ ایسے سامان کے بارے میں ہم کچھ نصوص پیش کرتے ہیں:

سمرہ بن جُندب سے روایت ہے جنہوں نے کہا: «أما بعد، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع» ۔۔۔اس کے بعد یہ کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ جو بھی چیز ہم بیچنے کے لیے رکھتے ہیں، اس میں سے زکوٰۃ نکالیں۔" (ابو داؤد)

ابو ذرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا کہ: «وفي البَزِّ صدقته» "کپڑے پر زکوٰۃ ہے۔" (دار قطنی اور بیہقی)۔ کپڑے سے مراد سلے اور ان سلے کپڑے ہیں جو تجارت میں استعمال ہوتے ہیں۔

ابو عبید نے ابو عمرہ بن حماس سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ: «مرّ بي عمر بن الخطاب، فقال: يا حماس، أدّ زكاة مالك، فقلت: ما لي مال إلاّ جعاب، وأدم. فقال: قوّمها قيمة، ثمّ أدّ زكاتها»..." عمر بن الخطاب میرے پاس سے گزرے اور کہا: "اے حماس، اپنے مال پر زکوٰۃ دو۔" تو میں نے کہا: میرے پاس کوئی مال نہیں سوائے اس تھیلے کے اور ایک اور تھیلے کے۔ انہوں نے کہا: "ان پر ان کی قیمت لکھو اور پھر ان پر زکوٰۃ ادا کرو۔"

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ تسلی بخش جواب ہوگا اور اللہ ہی سب علم رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ

19 محرم 1440 ہجری

بمطابق 2018/09/29 عیسوی۔

ختم شد

سوال وجواب: امریکا اور طالبان کے درمیان مذاکرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:

افغان طالبان کے ذرائع نے امریکی ایلچی زلمے خلیل زاد سے دوحہ میں 6روزہ مذاکرات میں غیر معمولی پیش رفت کی خبر دی اور یہ کہ امریکا معاہدہ ہونے کے 18ماہ کے اندر اپنے فوجی نکال لے گا۔ اگرچہ بیانات کے مطابق دوحہ معاہدہ فی الحال حتمی نہیں ہے اور فی الحال نافذ العمل نہیں اور مذاکرات کا ایک اور دور اس ماہ 25فروری کو منعقد ہو گا جیسا کہ رائٹرز نے 27جنوری کو خبر دی۔۔۔ لیکن مرکزی سوال پھر بھی باقی ہے: کیا طالبان اتنے لمبے عرصے کے جہاد کے بعد امریکی جال میں پھنس گئے ہیں؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو یہ کیسے ہوا؟ اور حالات کہاں جا رہے ہیں؟ جزاک اللہ خیر۔

جواب:

آغاز میں، آپ کو میں ایک پچھلے سوال بعنوان "افغانستان میں امریکی حکمت عملی" 16 اگست 2017 کا جواب یاد دلانا چاہوں گا جس میں ہم نے بتایا تھا کہ امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان میں فوجی فتح حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں اور افغانستان کے کافی علاقے طالبان کے کنٹرول میں آچکے ہیں۔ ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ ایجنٹ افغان حکومت امریکی جنگ لڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور وہ بمشکل دارالحکومت اور کچھ دیگر علاقوں کو کنٹرول کر رہی ہے۔ ہم نے اس سوال کے جواب میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ امریکا یعنی ٹرمپ اپنی افغان پالیسی پر نظرِ ثانی کر رہا ہے۔ **"یہ نظرِ ثانی افغان معاملے کو ٹھنڈا کرنے کی طرف جا رہی ہے، فوجی اڈوں پر امریکی موجودگی کو کم کرنا اور خطرے کی صورت میں استعمال کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ یہ مشن ISIS (داعش) کے خلاف ہے"**۔ اور ہم نے کہا تھا: **"طالبان کو مائل کرنے کے لیے امریکا دوبارہ پاکستان کے کردار کو بحال کرے گا تاکہ یہ ظاہر کرے کہ پاکستان کی نئی فوجی قیادت طالبان کی طرف نرم اور اس کی خیر خواہ ہے تاکہ طالبان کو کابل کی کٹھ پتلی حکومت کے ساتھ بیٹھ کر مذاکرات کرنے اور افغانستان میں امریکی سیاسی نظام میں اقتدار میں حصہ لینے پر آمادہ کیا جا سکے۔۔۔ جب امریکا نے اس بات کا ادراک کیا کہ افغانستان میں اس کی آپشنز محدود ہیں اور بھارت کے کردار کی آپشن باقی نہیں رہی، تو وہ طالبان سے مذاکرات کی طرف اس امید پر راغب ہوا کہ انہیں افغانستان میں امریکی کٹھ پتلی حکومت میں شامل کر لے گا اور اس نے طالبان کو مذاکرات کی میز پر بٹھانے کے لیے پاکستانی حکومت میں موجود اپنے ایجنٹوں کو استعمال کیا۔ لیکن یہ تمام کوششیں ناکام ہو گئیں؛ امریکا فوجی یا سیاسی اعتبار سے افغانستان میں کامیاب نہیں ہو سکا"**۔ لیکن امریکا خطے میں اپنے ایجنٹوں پر انحصار کرتے ہوئے مذاکرات کی آپشن کے کامیاب ہونے سے سے مایوس نہیں ہوا، خصوصاً جب افغانستان میں امریکا کو فوجی اور مالی اعتبار سے نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے جس نے اس کی راتوں کی نیندیں اڑا دی ہیں۔۔۔ افغانستان میں امریکی بحران کے تجزیے سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں:

اول: امریکا بھاری قرضوں میں پھنسا ہوا ہے جو اس کی معیشت کے لیے خطرہ ہیں جو 2008 میں بحران کا شکار ہوئی اور ابھی تک اس بحران کے اثرات موجود ہیں۔ امریکا نے مشرق وسطیٰ کی جنگوں میں یعنی مسلم ممالک میں تقریباً 7کھرب ڈالر لگا دیے اور بدلے میں کچھ نہیں پایا، جیسا کہ صدر ٹرمپ نے 22 جنوری 2017 کو اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ پر کہا: "مشرق وسطیٰ میں بے وقوفوں کی طرح 7کھرب ڈالر لگانے کے بعد اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے ملک کی تعمیر کریں!" بی بی سی نے فوربز میگزین سے اقتباس نقل کرتے ہوئے 9جنوری

2016 کو کہا، "افغانستان میں جنگ کی امریکا کو جو قیمت چکانی پڑی وہ 1 کھرب 70 ارب ڈالر ہے اور 2400 امریکی فوجیوں کی موت، دسیوں ہزاروں افراد کا زخمی اور مستقل معذور ہونا اس مالی نقصان کے علاوہ ہے اور اس انسانی اور مالی نقصان کے باوجود امریکا (طالبان) تحریک کو ختم کرنے میں ناکام ہوا ہے"۔

دوئم: طالبان تحریک کو عسکری شکست دینے میں ناکامی کے بعد امریکا نے جان لیا کہ طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے کے علاوہ، بغیر شکست کھائے افغانستان سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یہ راستہ ہی افغانستان میں امریکی حکمت عملی بن گیا جو کہ امریکی وزارتِ خارجہ کی طرف سے زلمے خلیل زاد کو افغانستان کے لیے خصوصی ایلچی کے طور پر تعیناتی سے ثابت ہے، جو 5 ستمبر 2018 کو کی گئی: "امریکی وزارتِ خارجہ نے ایک پچھلے بیان میں خلیل زاد کی ذمہ داری کا ذکر کیا جو کہ ان امریکی کوششوں میں ہم آہنگی اور ان کی سمت کا تعین کرنا ہے جن کا ہدف طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانا ہے" (ترکی اناتولیہ ایجنسی، 1/12/2019)۔ لہٰذا امریکا نے اسی واحد راستے کو اپنایا تاکہ طالبان کو مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کے لیے مجبور کر سکے۔ امریکا کا افغان جنگ سے نکلنے کا یہ وژن نیا نہیں ہے ۔ امریکا پہلے بھی طالبان اور کابل حکومت کے درمیان مذاکرات کروانے کی کوشش کر چکا ہے مگر وہ ناکام رہا۔ لہٰذا مذاکرات امریکا کے ساتھ شروع ہوگئے، جبکہ وہ چاہتا تھا کہ مذاکرات طالبان اور کابل حکومت کے درمیان ہوں ۔ مگر طالبان نے اس کو مسترد کر دیا کیونکہ وہ کابل حکومت کو امریکا کی کٹھ پتلی حکومت کے طور پر دیکھتے ہیں ۔ مگر طالبان امریکا کے ساتھ مذاکرات کے لیے مان گئے اگرچہ امریکا ہی کابل حکومت کا بانی ہے۔

سوئم: یہ قابل غور بات ہے کہ امریکا نے طالبان کو امن مذاکرات پر قائل کرنے کے لیے کینہ اور چالاکی سے ماحول بنایا۔ اس نے افغانستان اور خطے میں اپنے ایجنٹوں اور افغانستان کے گرد اوروں سے آپریشن کروائے:

1۔ امریکا نے طالبان کے رہنماوں پر حملے کیے خصوصاً وہ جنہوں نے مذاکرات کو مسترد کیا تھا: "امریکی عہدیداروں نے کہا کہ امریکہ نے بروز ہفتہ افغان طالبان لیڈر اختر منصور پر ڈرون حملہ کیا۔۔۔ پینٹاگون نے اس کو امن اور طالبان و حکومت کے درمیان مفاہمت کے لیے رکاوٹ قرار دیا" (دنیا الوطن، 22/5/2016)۔ یعنی یہ کہا گیا کہ منصور اختر کو مذاکرات مسترد کرنے کی وجہ سے ہدف بنایا گیا اور یہ اوباما انتظامیہ کے دور میں ہوا تھا۔ امریکا نے یہی پالیسی ٹرمپ انتظامیہ کے دور میں بھی جاری رکھی۔ نیٹو کے سپورٹ مشن نے بدھ کو ایک پریس ریلیز میں کہا: "22 جولائی کو افغان خصوصی افواج کی مدد کے لیے صوبہ کپیسہ، تجب ڈسٹرکٹ میں ایک امریکی حملے میں دو طالبان کمانڈر مارے گئے" (روسی سپتنک خبر ایجنسی 25/7/2018)۔ اس کے علاوہ ایک اور واقعہ میں ایک طالبان کمانڈر کو ہلاک کیا گیا، افغانستان میں امریکی افواج کے ترجمان کرنل ڈیو بٹلر نے کہا: "ہم کل کیے گئے ایک امریکی حملے کی تصدیق کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں طالبان کمانڈر ملا منان مارے گئے"، اور کہا، "ہم ایک سیاسی حل کی طرف جا رہے ہیں" (سی این این عربی 2/12/2018)۔

2۔ ایران نے طالبان کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ طالبان یہ سمجھتے ہیں کہ ایران "امریکہ کی دشمن ریاست" ہے۔ طالبان کے کچھ رہنماؤں نے ایرانی پیشکش کا خیر مقدم کیا۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان کے کمانڈر ملا اختر منصور کا قتل اس وقت ہوا جب وہ ایران سے واپس آرہے تھے، جو ممکنہ طور پر امریکہ اور ایران کی مشترکہ کوشش کا نتیجہ تھا۔ مگر طالبان ایران پر بھروسہ کرتے رہے جبکہ ایران انہیں صرف امریکا کے ساتھ سیاسی حل کی طرف دھکیلتا رہا: "ایران نے کہا کہ افغان

طالبان کے وفد نے ایرانی عہدیداروں کے ساتھ تہران میں اتوار کو مذاکرات کیے، کیونکہ اسلامی جمہوریہ دیگر اسلامی گروہوں کے اثر کو ختم کرنے کے لیے اپنے ہمسایہ ملک میں امن مذاکرات کو فروغ دینا چاہتا ہے"۔ ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان بہرام قاسیمی نے پیر کو کہا کہ مذاکرات افغان صدر اشرف غنی کے علم میں تھے اور ان کا مقصد طالبان اور افغان حکومت کے درمیان مذاکرات کے قواعد طے کرنا تھا(یورونیوز، 31/12/2018)۔

3۔ قطر نے دوحہ میں طالبان کا دفتر کھولا، لہذا طالبان نے یہ گمان کیا کہ قطر کا اس تحریک کو تسلیم کرنا انھیں مضبوط کرے گا، لیکن قطر نے اعلانیہ یہ کہہ دیا کہ یہ دفتر امریکا کے ساتھ مل کر کھولا گیا ہے تاکہ طالبان کے ساتھ مذاکرات کیے جاسکیں۔ قطر نے محاصرہ کرنے والے ممالک کے ساتھ بحران کے وقت کہا تھا، "سابق سی آئی اے ڈائریکٹر، ڈیوڈ پیٹریس کے بیانات یہ کہنے کے لیے کافی ہیں کہ دوحہ میں طالبان اور حماس کی ملاقات امریکی حکومت کی درخواست پر ہوئی تھی، جو بذاتِ خود یہ ثابت کرتا ہے کہ قطر نے چھپ کر کچھ نہیں کیا، اور یہ سب کے علم میں تھا ۔ حماس اور طالبان کی دوحہ میں موجودگی امریکا کی درخواست پر تھی تاکہ مسئلہ فلسطین اور طالبان کا کوئی حل ڈھونڈا جاسکے "(قطری الشرق اخبار 4/7/2017)۔ قطر نے طالبان کو یہ دھوکہ دیا کہ قطر ان کا طرفدار ہے اور طالبان اس جال میں پھنس گئے۔ جیسے جیسے قطر پر محاصرے کے ممالک کا بحران سنگین ہوتا گیا، تو اس نے ٹرمپ انتظامیہ سے بھیک مانگی کہ وہ اس سے پیسے لے کر اس کی حفاظت کرے۔ قطر جو کہ انگریز کا ایجنٹ ہے، امریکہ کے نزدیک ہوتا گیا اور طالبان کو مذاکرات کے لیے اس امید کے ساتھ دھکیلا کہ ٹرمپ انتظامیہ اس کے بدلے میں سعودی خطرے کو کم کردے گی۔۔۔ لہٰذا امریکا نے خلیجی ممالک کے درمیان ایک مقابلہ سجالیا کہ کون طالبان کو امن مذاکرات کی میز پر بٹھانے کے لیے زیادہ کوشش کرے گا۔ متحدہ عرب امارات قطر کے مقابلے میں مذاکرات کو اپنے شہر ابوظہبی لانا چاہتا ہے اور سعودی عرب جدہ میں لانا چاہتا ہے۔ رائٹرز نے مذاکرات میں شامل ایک طالبان کمانڈر کا نام نہ ظاہر کرنے کی بنیاد پر بیان نقل کیا: "حقیقت یہ ہے کہ سعودی عرب اور قطر کے اختلافات نے امن کے عمل کو مکمل تباہ کر دیا ہے"، اس نے کہا، "سعودی ہمیں غیر ضروری طور پر جنگ بندی کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔۔۔" (روسی سپتنک اخبار، 14/1/2019) اور اس مقابلے میں، جس میں اختلاف اور تناقض واضح ہے، طالبان نے اپنے آپ کو تین خلیجی ڈوروں سے منسلک کر لیا ہے، جن میں تناقض ہے مگر سمت ایک ہی ہے، یعنی امریکا کے ساتھ مذاکرات۔ سعودی عرب میں امریکی ایجنٹ، قطر اور امارات میں موجود برطانوی ایجنٹوں سے مقابلے میں ہیں کہ امریکہ کی تسلی بخش خدمت کی جائے، لیکن باطل کے اس مقابلے میں طالبان پھنس رہے ہیں تاکہ وہ امریکی مذاکرات کی طرف راغب ہوں جس کا ہدف سیاسی حل ہے۔ برطانیہ نے قطر کے دفاع کے لیے یعنی امریکی اعتاب سے اسے بچانے کے لیے، قطر کے طریقہ کار کی مخالفت نہیں کی اور متحدہ عرب امارات کو برطانیہ نے دیگر مقاصد کے لیے امریکی ایجنٹوں کے ساتھ صفِ اول میں کھڑا کیا ہوا ہے۔

4۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، جو طالبان کے لیے محور کی حیثیت رکھتا ہے، افغان طالبان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے اور فوج کے ذریعے پاکستانی طالبان کے خلاف خوفناک جنگیں کرنے کے بعد پاکستان نے افغان طالبان کے ساتھ نرمی اختیار کرنی شروع کی اور روابط بڑھائے۔ عمران خان کے 25 جولائی 2018 کو بطور وزیر اعظم آنے کے بعد اور اس کے بیانات جو طالبان سے قربت ظاہر کرتے ہیں ایسے حالات پیدا ہوئے کہ طالبان اس پر بھروسہ کریں، یہ جانے بغیر کہ یہ ان کو امریکی مذاکرات پر مائل کرنے کے لیے ایک جال ہے۔ لہٰذا طالبان اس جال میں پھنس گئے یا "اپنے آپ کو

اس جال میں پھنسالیا" اور ایک ہی سوراخ، یعنی پاکستانی حکومتی سوراخ جو صرف امریکی پالیسی نافذ کرتا ہے، سے دوسری بار ڈسے گئے۔:

پاکستان نے 1996 میں طالبان کا ساتھ دیا تاکہ افغان طالبان کو اقتدار میں لایا جائے، اور پھر بُش جونئیر کے 2001 کے حملے کے سامنے انھیں بے یار و مدد گار چھوڑ دیا یہاں تک کہ پاکستان میں طالبان کا پیچھا کر کے امریکا کی جنگ میں حصہ لیا۔۔۔اب جب امریکا طالبان کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکا ہے اور مذاکرات پر واپس آنے کو واحد راستہ سمجھ رہا ہے تاکہ افغانستان کے مسئلہ کو حل اور وہاں پر اپنے اثر و رسوخ کو برقرار رکھ سکے، تو اسلام آباد نے طالبان کے ساتھ اپنے پرانے روابط استوار کیے، لیکن صرف اس مقصد کے لیے کہ نئی امریکی حکمت عملی کو نافذ کیا جائے اور افغانستان میں امریکی اثر و سوخ کو قائم رکھا جائے۔ لہٰذا طالبان پھر اسی کنویں میں گر گئے! اگرچہ معاملات واضح ہیں اور ڈھکے چھپے نہیں: پاکستانی وزیر اعظم عمران خان نے پیر کو کہا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے افغان امن معاملے پر اس کی مدد مانگی ہے، جیو نیوز نے خان کا بیان چلایا کہ اسے "امریکی صدر سے ایک خط موصول ہوا جس میں امریکا نے پاکستان سے افغان امن مذاکرات میں کردار ادا کرنے کو کہا اور یہ کہ طالبان کو مذاکرات کی میز پر لانے میں مدد کی جائے" (روسی سپتنک خبر ایجنسی 3/12/2018)۔

اور پھر دو دن بعد پاکستانی وزیر اعظم نے امریکی خصوصی ایلچی خلیل زاد سے اسلام آباد میں ملاقات کی تاکہ افغانستان میں امریکی منصوبے میں پاکستانی پیش رفت پر زور دیا جائے، "اپنے حصے کا کام کرنے کے لیے"، عمران نے کہا، " پاکستان افغانستان میں امن اور مفاہمت کے لیے ایک سیاسی حل چاہتا ہے" (مسراوی 5/12/2018)۔ منگل کو وزیر اعظم عمران خان نے کہا کہ اس کا ملک افغان امن مذاکرات کو آگے لے جانے کی بھرپور کوشش کرے گا، مزید کہا کہ اس کے ملک نے ابو ظہبی میں طالبان اور امریکہ کے درمیان حالیہ مذاکرات میں بھی کردار ادا کیا (الیوم 7 2018 /18/12)۔ عمران نے خود 19 نومبر 2018 کو اپنے ٹویٹر پر اپنی امریکی خدمات کا اعتراف کیا، اس نے کہا: " پاکستان نے دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ میں شمولیت کا فیصلہ کیا، پاکستان نے 75 ہزار افراد کی جان کی قربانی دی اور معیشت نے 123 ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان برداشت کیا جبکہ امریکی امداد صرف 20 ارب ڈالر تھی"۔ پاکستان کے سابق وزیر دفاع خواجہ آصف نے بھی پاکستانی حکمرانوں کی غداری کا اعتراف کیا، اور وہ خود بھی انہی میں سے ہے، اس نے 19 نومبر 2018 کو اپنے ٹویٹر پر کہا:

" پاکستان ابھی بھی امریکا کے لیے خون کی قربانی دے رہا ہے کیونکہ ہم وہ جنگیں لڑ رہے ہیں جو ہماری نہیں ہیں، ہم نے اپنی مذہبی اقدار کو امریکی مفادات کے ساتھ مطابقت کے لیے ضائع کر دیا اور اپنی پر امن طبیعت کو تقسیم اور عدم برداشت سے تبدیل کر دیا"۔ اس سے زیادہ وفاداری نہیں ہو سکتی کہ پاکستان نے وہ جنگ لڑی جو اس کی نہیں تھی اور امریکا کے لیے مسلمانوں کے بیٹوں کا خون بہایا اور امریکی مفادات کے لیے اسلامی اقدار کو ضائع کیا۔ افغانستان میں پاکستان کا کردار، شام میں ترکی اور اس کے حکمران اردوان کے کردار کی طرح ہے، جہاں امریکا سے مسلسل ذلیل ہونے کے باوجود اردوان نے عسکری گروہوں پر دباؤ ڈال کر اور انھیں امریکی خواہش کی طرف دھکیل کر امریکا کے لیے خدمات سرانجام دیں۔

5۔ یہ افغانستان کے اندرونی حالات اور امریکی ایجنٹوں اور غیر ایجنٹوں کی علاقائی کوششیں ہیں جنہیں امریکا طالبان کو مذاکرات اور سیاسی حل کی طرف مجبور کرنے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ طالبان جس سمت بھی گئے، پاکستان یا ایران یا سعودی عرب یا قطر یا امارات، انھوں نے اپنے آپ کو امریکی مذاکرات کی راہ پر ہی پایا، کہ جن کا مقصد افغانستان میں امریکی اثر و

رسوخ قائم کرنا ہے۔ لیکن اگر طالبان یہ سمجھتے کہ انھوں نے امریکا کو مذاکرات کے لیے مجبور کر لیا ہے اور اس کے ایجنٹوں پر کتنا دباؤ ہے کہ ہر برا حربہ استعمال کر کے طالبان کو مذاکرات قبول کرنے کے لیے رضامند کریں۔۔۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ ان کے زبردست جہاد کے نتیجے میں پچھلے 17 سالوں میں امریکا کو کتنا جانی ومالی نقصان ہوا۔۔۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ امریکا مذاکرات پر بضد ہے جبکہ وہ انھیں دہشت گرد کہتا ہے کیونکہ ہر اس شخص کو امریکا دہشت گرد کہتا ہے جو اس کی دہشت گردی اور غرور کی راہ میں کھڑا ہوتا ہے۔۔۔ اگر وہ یہ سب سمجھتے ہوتے تو وہ جانتے کہ یہ افغانستان میں امریکی شکست کا غیر رسمی اعلان ہے۔ امریکا نکل جانا چاہتا ہے اس سے پہلے کہ یہ شکست اسے تباہ کر دے اور وہ ایک گرتی ہوئی ریاست کے طور پر آشکار ہو جائے۔ طالبان اگر سمجھتے تو وہ اس صورتحال کو استعمال کرتے اور امریکا پر دباؤ ڈالتے تاکہ اسے ذلیل کر کے نکالیں، نہ کہ اسے جنگ میں آرام سے بیٹھنے کا موقع فراہم کریں جس کا فائدہ اٹھا کر وہ مذاکرات کرے، امریکہ پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا: ﴿**لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ**﴾ "یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ رشتہ داری کا خیال کرتے ہیں نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں" (التوبہ: 10)۔

امریکا طالبان کی رعایت قبول نہیں کرے گا چاہے وہ جو بھی ہوں، سوائے اس کے کہ افغانستان میں امریکا کا اثر باقی رہے۔ بے شک امریکی نمائندے طالبان کے سامنے مسکراہٹ پیش کریں، جو ان کے دلوں میں مخفی (بغض) ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے!

6۔ یہ تکلیف دہ امر ہے کہ دوحہ مذاکرات جو 6 دن چلتے رہے، مذاکرات میں پیش رفت کا آغاز ہیں، اور طالبان بھی اس کے گواہ ہیں:

ا۔ اناتولیہ سے ایک انٹرویو میں طالبان کے لیڈر واحد مگدیہ نے کہا کہ دونوں اطراف نے بیرونی طاقتوں کے انخلاء پر اتفاق کیا اور یہ کہ افغانستان دنیا کے کسی حصے کے لیے خطرہ نہیں ہو گا۔ انھوں نے وضاحت کی کہ تحریک مجوزہ امن عمل کی حفاظت کے لیے عالمی ضمانت چاہتی ہے۔ مزید کہا: "کچھ تکنیکی وجوہات کی بنا پر دوحہ میں حتمی معاہدہ نہیں ہو سکا" (اناتولیہ ایجنسی 26/1/2019)۔

ب۔ 26 جنوری 2019 کو رائٹرز خبر ایجنسی نے طالبان کے ذرائع سے خبر دی: "انھوں نے واشنگٹن کے ساتھ حتمی معاہدے کے کچھ نکات پر اتفاق کر لیا ہے، جس میں ایک نکتہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بیرونی افواج معاہدے پر دستخط کے بعد 18 ماہ میں افغانستان سے انخلاء کریں گی اور اس کے بدلے طالبان یہ ضمانت دیں گے کہ القائدہ یا ISIS (داعش) کو اجازت نہیں ہو گی کہ وہ افغان علاقہ امریکا کے خلاف استعمال کر سکے۔۔۔" یہ اس متن سے ظاہر ہے "القائدہ یا ISIS (داعش) کو اجازت نہیں ہو گی"۔۔۔ کہ امریکا طالبان کو نظام میں جگہ دینا چاہتا ہے کیونکہ اسے طالبان سے دیگر تنظیموں کے خلاف کھڑے ہونے کی ضمانت چاہیے، وہ انھیں اس مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے۔

7۔ امریکی سرکاری بیانات بھی طالبان کے بیانات کی تصدیق کرتے ہیں:

ا۔ امریکی خصوصی ایلچی زلمے خلیل زاد نے ٹویٹر پر لکھا: "قطر میں طالبان سے چھ روزہ مذاکرات، جو ملاقاتیں ہوئیں وہ ماضی سے کہیں زیادہ سود مند تھیں۔ ہم نے اہم معاملات پر خاطر خواہ پیشرفت کی ہے" (ڈوشے ویلے عربی، 26/1/2019)۔

ب۔ قائم مقام امریکی وزیر دفاع پیٹرک شیناہن نے 28 جنوری 2019 کو طالبان سے مذاکرات پر کہا، "میں یہ کہنا چاہوں گا کہ جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں وہ حوصلہ افزاء ہیں" (یو ایس الحرۃ 28/1/2019)۔

8۔ لہٰذا دوحہ معاہدے کا خاکہ طالبان کی دیوار میں ایک اہم دراڑ ہے جو کہ بہت مضبوط تھی۔ ایجنٹ حکومت نے اسے مزید کمزور کرنے کا کام کیا اگرچہ طالبان کی طرف سے کابل حکومت سے مذاکرات نہ کرنے کے بیانات دیے گئے اور امریکا کی جانب سے یہ کہا گیا کہ اتفاق یا تو ہر چیز پر ہو گا یا کسی پر بھی نہیں ۔ لیکن دونوں اطراف کا مذاکرات کے اگلے دور کے طرف دوڑنا دوحہ مذاکرات اور ایجنٹوں کے دھکیلنے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلا آخر 17 سال کی جنگ کے بعد امریکہ کو روشنی کی کرن نظر آئی ہے کہ وہ افغانستان میں اس مسئلے سے نکل سکے۔ یہ صورتحال صرف اسی وقت تبدیل ہو سکتی اگر طالبان میں سے مخلص لوگ اٹھیں، اس معاہدے کو ختم کردیں اور اس روشنی کو بجھادیں جو امریکا کو افغان جنگ سے باہر محفوظ راستے کی صورت میں دِکھ رہی ہے۔

9۔ لہٰذا وہ تمام طالبان اور مجاہدین جو صلیبی امریکا اور اس کے قبضے کے خلاف کھڑے ہیں، انھیں امریکا اور اس کی حکومت کی طرف نہیں جھکنا چاہیے اور اس میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ اور ان کو امریکہ کے خلاف کھڑے رہنے میں استقامت دکھانی چاہیے یہاں تک کہ امریکا ٹوٹ پھوٹ کر اور ذلیل ہو کر مجبوراً باہر نکلے اور جنگ تو صرف کچھ ہی دیر کا صبر ہے۔ امریکا نے اس وقت تک مذاکرات قبول نہیں کیے جب تک اس نے مجاہدین کا حوصلہ نہیں توڑ دیا۔ مجاہدین کو مذاکرات کے چنگل میں پھنسنے سے خبردار کرنا چاہیے، جس کا مطلب امریکا اور مغرب کے لیے رعایت ہے یوں امریکا اور مغرب مذاکرات کے ذریعے وہ جیت سکیں گے جو وہ جنگ سے نہیں جیت سکے یعنی بغیر خون کا قطرہ بہائے، بغیر ایک پائی خرچ کیے، میز پر اپنے دشمن کو شکست دینا! یہ مغرب کے حقیقت پسندانہ سیاسی تصورات کے مطابق ہے۔۔۔ امریکا ایک ظالم مجرم ہے جس کو اس کے ظلم اور جرائم کی سزا ملنی چاہیے۔ اس نے لاکھوں افغانیوں کو قتل کیا، ان کو زخمی اور اپاہج کیا اور ان کو ان کے گھروں سے نکالا اور افغانستان کو تباہ کر دیا۔ اس کے جرائم ان گنت ہیں اور افغانستان میں سویت یونین کے جرائم سے بھی زیادہ ہیں۔ جیسے سویت یونین کو تباہ اور ذلیل کر کے نکالا گیا تھا، اگر طالبان استقامت دکھائیں تو امریکہ کا بھی یہی مقدر ہو گا، کہ اسی مقصد کے لیے طالبان اٹھے تھے یعنی صبر سے امریکہ سے لڑنے کے لیے۔ اللہ نے ان سے جیت کا وعدہ کیا ہے جو صبر کریں اور استقامت دکھائیں، خواہ وہ تعداد میں دشمن سے کم بھی ہوں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ "جن لوگوں کو خیال تھا کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے وہ کہنے لگے بارہا بڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے غالب ہوئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (البقرۃ، 249)۔

اور طالبان کو افغانستان میں قائم امریکہ حکومت میں حصہ نہیں لینا چاہیے، بلکہ اس کے خاتمے کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اسلام کو یعنی نبوت کے طریقے پر خلافتِ راشدہ کو قائم کرنا چاہیے، جس کی واپسی کی ہمارے نبی ﷺ نے بشارت دی، «ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی"۔

﴿لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ﴾

"یہ ایسی کامیابی ہے کہ عمل کرنے والوں کو (اس کے لیے) عمل کرنا چاہیے" (الصافات: 61)

یکم جمادی الثانی 1440 ہجری

6 فروری 2019

ختم شد

نارملائزیشن، محدود ردعمل اور بین الاقوامی ثالثی کو ہماری افواج کے قدموں تلے کچلتے ہوئے انہیں مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے حرکت میں لاؤ

پریس نوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مودی کے انتخابات جیتنے کے لیے کیے گئے جارحانہ عمل کے جواب میں مسلمانوں نے پاک فضائیہ کی جانب سے 27فروری2019 کو بھارتی طیاروں کے گرائے جانے پر خوشیاں منائیں۔آئی ایس پی آر نے اس ردعمل کو " دفاع کے حق " کے تحت جائز قرار دیا۔اب ""نارملائزیشن"" کی تمام باتیں ہمیشہ کے لیے دفن ہوجانی چاہیں کیونکہ ہندو ریاست کے مشرکین مذاکرات اور تجارت کی بات توکرتے ہیں لیکن ہمیشہ پاکستان اور مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے اپنے ناپاک عزائم کو عملاً آگے بڑھاتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا،

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا

""تم دیکھوگے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں"(المائدہ 5:82)۔

اب ""بین الاقوامی ثالثی"" کی تمام باتوں کو بھی ہمیشہ کے لیے دفن کردینا چاہیے کیونکہ ثالثی کا عمل استعماری طاقتوں کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے امور پر اپنی اتھارٹی قائم کریں،لہٰذا اس کشیدہ صورتحال کا فائدہ اٹھا کر ٹرمپ اپنے منصوبے کو آگے بڑھا سکتا ہے جس کے تحت وہ چاہتا ہے کہ پاکستان کو خطے میں بھارتی بالادستی کی راہ میں حائل ہونے سے روک دیا جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا،**وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا**

""اور اللہ نے مومنوں کو اجازت نہیں دی کہ وہ کافروں کے غلبہ کو قبول کریں"(النساء 4:141)۔

اور اب ""محدود ردعمل "" کی باتوں کو بھی ہمیشہ کے لیے دفن کردینا چاہیے کیونکہ اسلام ہمیں اس سے کہیں زیادہ مضبوط ردعمل دینے کا حکم دیتا ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کو ہندو ریاست کے ظلم و ستم اور قبضے سے نجات دلانے کے لیے پاکستان کی افواج کو حرکت میں لایا جائے۔اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا،

وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

""اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں تو تم کو مدد کرنی لازم ہوگی"(الانفال 8:72)۔

اے پاکستان کے مسلمانو!

اگر آج ہم چند بھارتی طیاروں کے گرائے جانے پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہے تو سوچیں وہ وقت کیا ہوگا جب ہماری افواج مقبوضہ کشمیر کو ہندو ریاست کے قبضے سے آزاد کرائیں گی؟! مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں نے اپنے اس جذبہ اور نعرے سے دستبرداری اختیار نہیں کی کہ، ""کشمیر بنے گا پاکستان""، لہٰذا ان رکاوٹوں کو ہٹادیں جو مسلم علاقوں کی آزادی کی راہ میں کھڑی کی جاتی ہیں اور مسلمانوں کو آزادی کی خوشی سے محروم کردیا جاتا ہے۔ کھل کر نام نہاد ""بین الاقوامی برادری"" کی ثالثی کو مسترد کردیں جس کے ذریعے استعماری طاقتوں کی بالادستی قائم ہوتی ہے اور جو مسلمانوں کو دبانے اور انہیں ان کے حق سے محروم کرنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ کھل کر محدود ردعمل کی پالیسی کو مسترد کردیں اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لیے جنگ کا مطالبہ کریں۔اور پوری قوت سے نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کا مطالبہ کریں تا کہ آپ کو وہ قیادت میسر ہو جو آپ پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کے مطابق حکمرانی کرے اور استعماریوں کی جانب سے پہنائی جانے والی زنجیروں کو مکمل طور پر کاٹ ڈالے۔

اے افواج پاکستان کے شیرو!

جنگ کے مقابلے میں محدود ردعمل کی باتوں کو مسترد کردیں کیونکہ مقبوضہ کشمیر آپ کے ہاتھوں آزاد ہونے کا منتظر ہے۔ایٹمی ہتھیاروں کو حرکت میں لائیں تا کہ جنگ کو مقبوضہ کشمیر سے آگے وسعت دینے کی بھارتی کوشش کو ناکام بنایا جائے سکے۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کو مسلح کریں تا کہ جب آپ ان کی آزادی کے لیے فیصلہ کن قدم بڑھائیں تو وہ آپ کے شانہ بشانہ ہندو ریاست سے آزادی کے لیے آپ کے ساتھ کھڑے ہوں۔اور ان تمام باتوں کو ممکن بنانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ فوری طور پر نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لیے نصرۃ (مدد) فراہم کریں۔ وقت آگیا ہے کہ شہادت یا فتح کی آرزو کے ساتھ آپ آگے بڑھیں اور اپنے ہاتھوں سے سری نگر پر خلافت کا جھنڈا لہرائیں۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

ختم شد

مرکزی جامع مسجد حنفیہ
جماعت اہلسنت
1980
Coming Soon

FARMAN MOBILE SHOP
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کشمیر کو آزاد کراؤ
کشمیر کا حل خلافت!
کشمیر کو آزاد کراؤ
Coming Soon

مسلم دنیا میں اردو بولنے والوں کے لیے

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی اردو ویب سائٹ

www.hizb-ut-tahrir.info/info/urdu.php

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کی ایک اردو ویب سائٹ ہے جس کو www.hizb-ut-tahrir.info کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی امت میں اردو بولنے، لکھنے اور سمجھنے والے کروڑوں مسلمانوں کے لئے یہ اردو ویب سائٹ معلومات حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اس ویب سائٹ پر پوری مسلم دنیا میں خلافت کے قیام کے لیے کام کرنے والی جماعت حزب التحریر کی انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک مختلف ولایات کی جانب سے جاری کی گئیں پریس ریلیز زاور لیفلٹ دیکھے جاسکتے ہیں۔اس کے علاوہ اس ویب سائٹ پر مسلم دنیا میں حزب التحریر کی خلافت کے قیام کی زبردست جدوجہد کے حوالے سے تحریریں، تصاویر، آڈیوز اور ویڈیوز بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ اس ویب سائٹ کے ذریعے حزب التحریر کے امیر، مشہور رہنما اور فقیہ، شیخ عطا بن خلیل ابوالرشتہ سے سوالات بھی پوچھے جاسکتے ہیں۔

یقیناً اردو زبان کی موجودگی خلافت کا تحفہ ہے کیونکہ یہ زبان ریاستِ خلافت کی مسلم افواج کی فوجی چھاؤنیوں میں وجود میں آئی تھی جن میں ترکی، فارس، عرب اور برِصغیر پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے مسلمان موجود ہوتے تھے۔ درحقیقت لفظ اردو ترک زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "لشکر" کے ہیں۔ آج کے دن تک اردو کا رسم الخط، اس کے الفاظ اور طرزِ تحریر قرآن اور خلافت کی سرکاری زبان عربی پر بے حد انحصار کرتی ہے۔

حزب التحریر ولایہ پاکستان اردو زبان استعمال کرنے والے صحافیوں، میڈیا اور سوشل میڈیا کو اس بات کی دعوت دیتی ہے کہ وہ حزب التحریر کی جدوجہد اور کام سے مسلسل آگاہی کے لیے اس بہترین ویب سائٹ کو استعمال کریں۔

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس